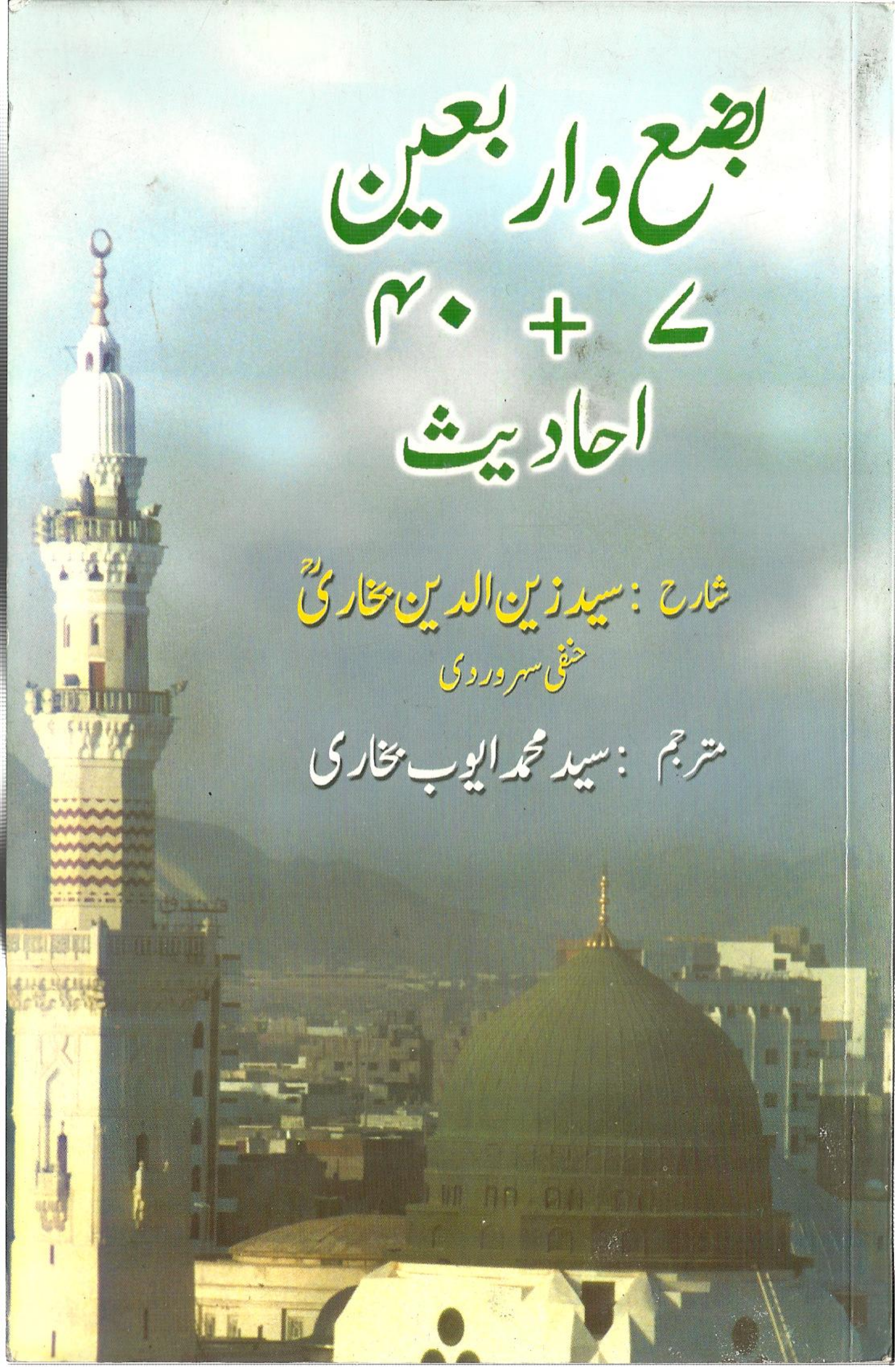

بضع واربعین

۴۰ + ۷

احادیث

شارح : سید زین الدین بخاریؒ

حنفی سہروردی

مترجم : سید محمد ایوب بخاری

بسم الله الرحمن الرحيم

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلو علیہ وآلہ

بضع واربعین

۴۰+۷

احادیث

شارح : سید زین الدین بخاریؒ

حنفی سہروردی

مترجم : سید محمد ایوب بخاری

کمپوزر : سید محمد صالح اصغر بخاری

جملہ حقوق بحق بلال حیدر بخاری و محمد محسن بخاری محفوظ ہیں

ناشر: سید بلال حیدر بخاری

کتاب کا نام: بضع وار بعین (۷+۴۰ احادیث)

ایڈیشن: پہلا

تعداد: 1000

سال اشاعت: 2000ء

قیمت: 125روپے

مطبع: پیب بورڈ پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، راولپنڈی

ملنے کا پتہ:

سید بلال حیدر بخاری

بالمقابل سول کلب اٹک

فون: 3805, 611215, 610215

کوڈ: 0597

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارفِ مصنف		ا
دیباچہ:	از مصنف	01
	مترجم	03
بابِ اوّل:	ایمان	05
بابِ دوم:	بناہائے اسلام	17
بابِ سوم:	توبہ و استغفار	30
بابِ چہارم:	دعا، ذکر اور تسبیح	35
بابِ پنجم:	استعاذۃ	40
بابِ ششم:	فضائلِ قرآن	47
بابِ ہفتم:	کسب و طلبِ حلال	55
بابِ ہشتم:	علم	65
بابِ نہم:	فضائلِ صحابہؓ	76
اختتامیہ:	مودّت و فضائلِ اہل بیتؑ	102
	کاتب کا اظہارِ عقیدت	117
ضمیمہ:	کمپوزر	119
	اظہارِ خیال (متفرق)	(i)

رہبرِ دین متین پیر زین الدینؒ

در دفتر زمانہ فتد نامش از قلم
ہر ملتِ کہ مردم صاحب قلم نداشت

تقریباً سب کتابوں بشمول ان کی اپنی تصنیف، کتبِ مناقب، شجروں اور مثلِ حقیت میں ان کا اسم گرامی زین الدینؒ درج ہے، ماسوا زمانۂ حال کی ایک کتاب احوال العارفین مؤلفہ جناب حافظ غلام فرید صاحب (۱۹۷۹ء) میں ان کا پورا اسم گرامی حضرت سید زین الدین عبد القادرؒ لکھا ہوا ہے جس کا حوالہ مؤلف نے جناب عبد الحلیم اثر افغانی مرحوم کی غیر مطبوعہ کتاب اولیاء پشاور کا دیا ہے۔ آپؒ ساداتِ بخارا میں سے تھے، حنفی المذہب تھے اور آباؤ اجداد سے سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں صاحبِ سجادہ و مسند اور صاحبِ بیعت و ارشاد تھے۔ آپ کے والد محترم فرید العصر پیر فرید الدینؒ تھے، جو خود قطب الاقطاب ناصر الدین محمود شاہؒ المعروف پیر سباکؒ کے فرزندِ ارجمند اور شیخ المشائخ سیدنا ابابکرؒ کے پوتے تھے۔ سید ابابکرؒ، شاہ اسماعیل سہروردیؒ کے فرزند، ماذون، خلیفہ اور جانشین تھے۔ شاہ اسماعیل نے طریقہ عالیۂ سہروردیہ میں غوث العالم بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے خاندان کے ایک بزرگ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پیر زین الدینؒ صاحب کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے صرف ایک کتاب بنام بضعۃ الاربعین آج دستبردِ زمانہ سے محفوظ ہے۔

۱۔ اساتذہ: پیر زین الدین بخاریؒ کے استاتذۂ کرام میں دو نام نمایاں ہیں:

ا: جامع فضائل و کمالات حضرت مولانا اخوند چالاکؒ، جو مشہور عالم، فقیہہ، مورخ، غازی اور صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ پیر زین الدینؒ نے ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی۔ اخوند چالاکؒ کا سنِ وفات ۱۰۶۷ھ یا ۱۰۷۵ھ مختلف تاریخی کتب میں مرقوم ہے، ان کو ملا کابل گرامؒ بھی کہتے ہیں۔

ب: نور العلماء اخوند محمد یونس فیضی معروف بہ شیخ نور محمد پشاوریؒ (متوفی ۱۰۵۹ھ) جن کو خادو باباؒ بھی کہتے ہیں، عالم، عارف اور مجاہد تھے، پیر زین الدینؒ نے اپنے ایک شعر میں ان کو ازراہِ احترام و عقیدت 'یونس افلاک' کہا ہے۔ اور ان کو موضع طورو میں ہشت راہتی زمین نذرانہ میں دی تھی۔

۲۔ سنِ ولادت: سید شاہ ولی اللہ نقشبندی قادری کی تحقیق کے مطابق سیدنا پیر زین الدینؒ کا سنِ ولادت ۱۰۳۵ھ اور ۱۰۴۰ھ کے مابین ہے، جو موجودہ حاصل کردہ معلومات کی رُو سے اندازاً و قیاساً صحیح معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ سلسلۂ طریقت: احوال العارفین، ان کے سلاسلِ طریقت کے بارہ میں یوں رقمطراز ہے۔ "آپؒ اپنے والد ماجد سید فرید الدینؒ قدس سرہ' سے سلسلہ سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ مجددیہ چشتیہ وغیرہ سلاسل میں مجازِ طریقت تھے۔ جبکہ ان کے والد ماجدؒ سلاسلِ طریقت قادریہ نقشبندیہ مجددیہ، چشتیہ صابریہ اور سہروردیہ کے مجمع البحرین تھے۔ سید فرید الدینؒ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار سیدنا ناصر الدین محمود پیر سباکؒ سے، سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں شیخ سید آدم بنوری قدس سرہ' سے، سلسلہ چشتیہ میں اخون پنجو بابا قدس سرہ' اور سلسلہ قادریہ میں حضرت سید سلیمان گیلانی اور ان کے فرزند سید یونس گیلانی قدس سرہما سے مجازِ طریقت تھے۔ مناقبِ زین الدینؒ میں لکھا ہے کہ انہوں نے طریقت و سلوک کی منازل زبدۃ العارفین حضرت مولانا شیخ سعدی لاہوریؒ کی صحبت بابرکت میں طے کیں۔ اور کتاب بضعۃ الاربعین انہوں نے اپنے پیر و مرشد شیخ سعدی لاہوریؒ کے اشارہ اور دعوت پر لکھی۔ کتاب بضعۃ الاربعین سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ پیر زین الدینؒ ہادی المسلمین الی اللہ میاں شیخ اسد اللہ مرحوم (۹۷۷ھ تا ۱۱۰۲ھ) اور شمع عرفان و ہدایت میں شیخ سعدی لاہوریؒ (۱۰۰۳ھ تا ۱۱۰۸ھ) کے ہم صحبت و ہم نشین رہے ہیں۔ بہر حال ان پر اپنے آبائی سلسلہ طیبہ سہروردیہ کے احوال غالب تھے۔

۴۔ سنِ تصنیف بضعۃ الاربعین: چاپ کتاب کے مندرجات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ اسد اللہ وزیر آبادیؒ اور

شیخ سعدی لاہوریؒ کی وفات کے بعد لکھی گئی ہے، کیونکہ اول الذکر بزرگ کے نام کے ساتھ مرحوم اور شیخ سعدی لاہوری کے نامِ مبارک کے آخر میں رحمتہ اللہ علیہ لکھا گیا ہے۔ شیخ اسد اللہؒ نے ۱۱۰۲ھ اور شیخ سعدی لاہوری نے ۱۱۰۸ھ میں وفات پائی۔[''شیخ سعدی لاہوریؒ کے لئے مصنف کا لفظ مرحوم استعمال نہ کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کتاب ان کی زندگی میں لکھی گئی، البتہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ زیرِ حوالہ کے کاتب نے شیخؒ موصوف کو رحمتہ اللہ علیہ اپنے زمانہ کی مناسبت سے تحریر کیا ہے جس سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کتاب بضعۃ الاربعین ۱۱۰۸ھ کے بعد لکھی گئی'' مترجم]

۵۔ حالات۔ فضائل اور اخلاق : قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، شیخ المشائخ، عمدۃ العلماء و الراسخین، گنجِ علوم سیدنا زین الدینؒ، سیدنا فرید الدینؒ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ان کے تین اور بھائی بھی تھے۔ عبد العزیزؒ، شاہ عظیم الدینؒ اور شہاب الدینؒ۔ ان میں سے شہاب الدینؒ کا ذکر تاریخ مرصع میں آیا ہے اور ان کو صراطِ مستقیم پر چلنے والا کہا گیا ہے۔ اسی طرح ان کے اور بھائی بھی عالمانِ باعمل اور صالحینِ وقت تھے۔ لیکن ان سب میں پیر زین الدینؒ، علومِ ظاہری اور باطنی میں امامِ عصر اور مقتدائے وقت تھے۔ والدِ محترمؒ کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد کے وارث ہوئے کیونکہ اپنے سب بھائیوں سے فائق اور لائق تھے، آپؒ انتہائی ذکی اور فصیح اور بلیغ تھے۔ فضلِ حسین ولد عبد الصمدانی نے ان کی علمی فضیلت، زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کی بہت تعریف کی ہے اور ان کو مجتہدِ وقت لکھا ہے۔ بڑے مؤثر خطیب محراب و منبر تھے، بڑے سے بڑے مجمع کے سامنے ایک مسئلہ پر یہاں تک بولتے کہ کسی کو انکار کی جرأت ہی نہ رہتی۔ ان کے شدید مخالف بھی ان کے علمِ ظاہری کی فراوانی، طاقتِ لسانی، قوتِ قائلانہ اور قدرت و قابلیتِ استدلال اور اثر کے قائل تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپؒ اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے اور انہوں نے اپنے سخت ترین مخالف کو بھی بُرے الفاظ سے یاد نہ کیا، بلکہ ان کے حق میں دعائیں کیں۔ ایک دفعہ فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے شریعت پر استقامت عطا فرمائی ہے، جو لوگ میری غیبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمریں دراز کرے''۔

۶۔ شرکتِ جہاد : بقول قاضی عبد الحلیم اثر افغانی، جب اخوند چالاکؒ کوہستان کے کفار کے خلاف جہاد کے لئے جا رہے تھے تو ان کی سرکردگی میں جانے والے لشکر میں سید محمد یوسف ابنِ سید محمد یونسؒ اور سید علی گیلانیؒ [المعروف سید زندہ پیر د علی مست د زندہ علی] کے ساتھ سید فرید الدینؒ بمع فرزندوں کے شامل تھے اور موضع طورو میں سید فرید الدینؒ کی زمین کو مجاہدین کے کیمپ کے طور پر استعمال کیا گیا تھا، اس زمین کو عید گاہ کے وزن پر جہاد گاہ کا نام دیا گیا، جسے بعد میں پشتو میں جہادگے کے نام سے شہرت ملی (واللہ اعلم)

۷۔ بیت الغریب : آپؒ نے بیت الغریب یا پیر زین الدین کلے یا پیراں کی بنیاد ڈالی۔ اس بارہ میں صاحب مناقبِ زین الدینؒ لکھتے ہیں ''جب اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے محبت اور کامل جذبۂ رجوع الٰہی نے ان کے دل میں جگہ پائی تو دن رات عبادت، ریاضت اور مجاہدے میں مشغول ہو گئے، بال برابر بھی شریعتِ پاک اور سنتِ بیضاء کے راستہ سے باہر قدم نہ رکھتے تھے، عالم لوگوں کے اژدہام سے متنفر ہو گئے، ان کی طبیعت خلوت اور گوشہ نشینی کی طرف مائل تھی، اسی وجہ سے اپنے خویش و اقارب سے تعلق توڑ کر فقر اور غربت کا راستہ اختیار کیا، اپنے چند خلفاء کے ساتھ پیر سباک سے روانہ ہوئے اور پہاڑوں کے درمیان ایک جگہ کو اپنی طبیعت کے موافق پایا، وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ کچھ گھر اپنے خلفاء کے لئے تعمیر کئے۔ اس جگہ کا نام'' بیت الغریب '' رکھا یعنی مسافروں کی جگہ۔ اپنے لئے وہاں خلوت خانہ بنا کر عباداتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ وفات تک وہیں مقیم رہے، وہیں اس دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ جب ان کی شرفِ اقامت سے وہ گاؤں مشرف ہوا تو اس گاؤں میں مزید آبادیاں بننی شروع ہوئیں۔ لوگ ان کے سایۂ عاطفت کو غنیمت سمجھتے تھے اور ان کی ہمسائیگی میں رہنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے تصرف و برکت سے وہ جگہ آباد و معمور ہو گئی اور اس مقام نے سلاطین و خوانین کو متوجہ کیا۔ بہت سے لوگ دینی و دنیاوی حاجات کو پورا کرنے کے لئے وہاں آجایا کرتے تھے۔ خانقاہ بیت الغریب شریف تقریباً دو سو سال

تک مرکز رشد و ہدایت اور چشمۂ فیض و عطا رہی۔ درس و تدریس اور سلوک و معرفت کے جویا آتے اور بقدرِ ظرف مستفید ہو کر چلے جاتے، علم و عرفان اور دیگر مروجہ فنون کے رسالوں کے قلمی نسخے یہاں تیار کیے جاتے اور شائقین اور معتقدین انہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ یہاں سید عبد الشکورؒ، خواجہ حافظ محمد معصومؒ، حافظ محمد عمرؒ، پیر محمد فاضلؒ، پیر معظم شاہؒ، محمد علی شاہؒ، سید محمد حسنؒ اور شاہ یحییٰؒ جیسے صاحبان سجادہ و عمامہ صوفی عالم مدرس خطیب مورخ اور شاعر پیدا ہوئے اور ایک جہاں کو منور کیا''۔

۸۔ سنِ وفات : بموجب تحریر سید ولی اللہ شاہ قادری نقشبندی، جمال و کمال کے یہ پیکر شریعت و طریقت کے یہ روشن چراغ، علمائے حق کے سرخیل، اولیاء کے سردار ۱۱۱۹ھ میں اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو رحلت فرما گئے اور اپنے ہی بسائے ہوئے گاؤں بیت الغریب میں آسودۂ خاک ہوئے۔

۹۔ عرس : کاکا صاحبؒ کے عرس کی آخری تقریبات پیر زین الدینؒ کے مزار پر اہتمام پذیر ہوتیں۔ ۱۹۲۶ء تک یہ سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔

۱۰۔ پیر مطیع اللہ کوہاٹیؒ : پشتو کے مشہور عالم فاضل رحمانی المسلک شاعر پیر مطیع اللہ کوہاٹیؒ (زمانہ ۱۱۵۰ھ تا ۱۲۶۰ھ) نے بھی کچھ عرصہ خانقاہ بیت الغریب شریف میں گزارا اور یہ شعر کہتے ہوئے یہاں سے رخصت ہوئے :

بل یوہ کان د معرفت بیت الغریب دے   د عرفان پہ دریا غرق لہ دے ساحل لار

''معرفت کی ایک دوسری کان بیت الغریب میں ہے، میں (مطیع اللہ) عرفان کے اس دریا میں غرق ہو کر ساحلِ مراد پا چلا''

۱۳۔ شاہ محمود شاہ ولد شیر علی شاہ جو اس وقت موضع لنگر ضلع اٹک میں قیام پذیر تھے، وہ بھی اصل میں بیت الغریب کے رہنے والے تھے، راقم الحروف نے ایک نایاب خوشخط قلمی نسخہ ''روضۃ الصابرین'' مصنفہ صابر نامی شاعر سنِ تصنیف ۱۱۹۸ھ پشتو اکیڈمی پشاور کے حوالہ کیا ہے، اس کے اخیر میں لکھا ہے ''از ید احقر العباد محمد بخش سکنہ تونسہ شریف بیاتخطر سیادت پناہ سید محمود شاہ ساکن قریہ لنگر اصلی متوطن بیت الغریب علاقہ خٹک (خٹک نامہ) ۱۲۸۸ھ در ہفتم ماہِ جمادی الاول تحریر یافت''

۱۳۔ بیٹے : پیر زین الدینؒ قدس سرہٗ کے گیارہ فرزند تھے، عبد الشکور اور کرم الدین (اولادِ زوجۂ اول)، اسد اللہ اور حافظ محمد عمر (اولادِ زوجۂ دوم)، محمد علی اور نجم الدین (زوجۂ سوم کی اولاد)، عماد الدین، عبد الحق اور قیاس الدین (از زوجۂ چہارم)، محمد سعید جن کو مسعود شاہ بھی کہتے ہیں اور سعد الدین (اولادِ زوجۂ پنجم) مناقب زین الدین مین ایک بھائی کا نام غلام محی الدین درج ہے [تاریخ پشاور کے ایک اقتباس دربارۂ موضع ولئی (ضلع نوشہرہ) مورخ بہادر شاہ ظفر کاکاخیل کے ایک خط اور شہباز خٹک دویم کے ایک قبالہ کے مندرجات کے باہمی موازنے، تقویمی تطبیق اور استخراج سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ محمد سعید (مسعود شاہ) اور سعد الدین کی والدہ، خوشحال خان خٹک کی دختر نیک اختر تھیں۔ لیکن یہ غلط ہے کہ موضع ولئی کی جائیداد ان کو جہیز میں دی گئی تھی، کیونکہ مراقباتِ رحمکارؒ اور مقاماتِ قطبیہ کی عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موضع ولئی ان کے دادا پیر سباکؒ کی ملکیت تھا، ویسے پیر زین الدینؒ کثیر جائیداد کے مالک تھے] پیر صاحب کے دو بیٹوں حاجی عبد الشکورؒ اور حافظ محمد عمرؒ کے بارہ میں مصنف مناقب زین الدین لکھتے ہیں ''صاحبِ کمال اور اربابِ حال تھے''۔

۱۴۔ کرامات : اولیائے کرام سے خوارقِ عادات اور کرامات کے ظہور کا طریقہ اہل سنت والجماعت کے ہاں ایک مسلم عقیدہ ہے، لیکن سب سے بڑی کرامت شریعتِ مقدسہ پر استقامت ہے، جو بفضلِ خدا پیر زین الدینؒ کو زندگی اور بعد از وفات بھی بدرجۂ کمال حاصل ہے، لیکن یہاں ان کے مناقب کی کتاب سے ان کی دو کرامات کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

ا : ساغری خٹک افغانوں کی ایک شاخ ہے جو علاقہ نرڑہ چھب ضلع اٹک میں آباد ہے، تواتر سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ پیر زین الدینؒ ایک دفعہ بغرضِ سیر و سیاحت اس علاقے میں پہنچے، چند دن قیام فرمایا۔ جب اس علاقے کے لوگوں کو ان کی آمد کا پتہ چلا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''ہم لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں، لیکن اس زمین میں سانپ بہت پائے جاتے ہیں،

بضع ایک مبہم عدد ہے جو کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ نو کی تعداد کا مظہر ہوتا ہے۔ یہ اپنے اختصار میں بہت سے معانی لئے ہوئے ہے۔ اگرچہ یہ حروف کے لحاظ سے چھوٹا اور مختصر ہے لیکن پُراز معانی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھے اس شرف سے نوازے گا اور مجھے حضور ﷺ کی شفاعت و شہادت نصیب ہوگی۔ کیونکہ وہ سچے ہیں اور اُن کی سچائی کی خدا تعالیٰ، فرشتوں، انبیاء اور مومنین نے تصدیق کی ہے۔ اُن کے وعدہ کے بارہ میں کسی خلاف ورزی کا گمان تک نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اُن پر بہترین درود بھیجتا ہے **آپؐ اللہ کی طرف سے رحمت ہیں جبکہ باقی ہر کوئی طالبِ رحمت۔**

(سید زین الدینؒ)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

بضعة الاربعین کا اردو ترجمہ آپ کے سامنے ہے، اس کے حسن و قبح کے بارہ میں فیصلہ کرنا فرداً فرداً ہر قاری کے اختیار میں ہے، ہر کام کا وقت مقرر ہوتا ہے اور کبھی کبھی کسی بڑے کام کا محرک کوئی چھوٹا سا واقعہ بن جاتا ہے اور اس طرح کسی عظیم کام کی تکمیل کے لئے منجانب اللہ ایک معمولی سے انسان کو چُن لیا جاتا ہے، کیوں ؟ یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔

اکتوبر ۱۹۹۱ء میں اس کتاب کے قلمی نسخہ سے آفسٹ چھپائی کے بعد جو میرے بیٹے محمد محسن سلمہ' کے زیر اہتمام مکمل ہوئی، بہت سے دوستوں نے اس کے اردو ترجمہ کا تقاضا کیا۔ میں نے چند مہربانوں کو اس کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اور چند از خود یہ کام کرنے پر تیار ہو گئے، لیکن اس سارے عرصہ میں ایک آدھ ترجمہ جو مجھ تک پہنچا وہ قابلِ اشاعت نہ تھا اور جن صاحب نے سب سے پہلے ترجمہ کرنے کا اعلان کیا تھا انہوں نے وعدۂ فردا پر ٹالتے ٹالتے نو (۹) سال بعد بڑے فخریہ انداز میں جب یہ جانفزا مژدہ سنایا کہ "ترجمہ کے لئے اب یہ کتاب میرے سرہانہ کے نیچے پہنچی ہے" تو یہ نوید میرے لئے مہمیز کا کام کر گئی اور اسی لمحہ بروز ہفتہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۶ جنوری ۱۹۹۹ء میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اب یہ ترجمہ ہو کر رہے گا۔ (انشاء اللہ)

اللہ کے فضل و کرم سے اور میرے والد مرحومؒ کی محنتوں کے صدقے میرے لئے اتنی عام فہم فارسی سے اردو یا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنا چنداں مشکل نہیں، اصل مشکل اردو مختصر نویس یا زود نویس کی عدم دستیابی اور میری پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی وجہ سے وقت کا نہ ملنا تھا۔ اور اب اس کام کے لئے بہر صورت فرصت پیدا کرنا میرا فرض بن گیا تھا۔ پہلی مشکل اس طرح حل ہو گئی کہ میری شاگرد مس طلعت النساء ایڈووکیٹ نے میرے استفسار پر پورے خلوص سے کہا کہ وہ انشاء اللہ ترجمہ املاء کرنے کے لئے پوری تندہی سے میرا ساتھ دیں گی، چنانچہ میں نے اسی مبارک لمحہ یہ کام شروع کر دیا اور پہلے روز ہم نے دس (۱۰) صفحات کا تسویدی ترجمہ مکمل کر لیا۔ اس کے بعد اس کی تصحیح ہوئی اور اگلے روز وہ صفحات کمپیوٹر کمپوزنگ کے لئے تیار تھے۔ چند روز بعد شیخ کامران شہزاد ایڈووکیٹ اپنی پُر خلوص ذاتی خواہش پر ہمارے ساتھ شریک ہو گئے اور طلعت کی تصحیح شدہ تحریر کو خوشخط کر کے لکھنا ان کے ذمہ لگا اور آہستہ آہستہ پوری کتاب کا تسویدی ترجمہ مکمل ہو گیا۔

کمپیوٹر کمپوزنگ کے لئے جس آپریٹر کا انتخاب کیا گیا، وہ اردو ہجوں سے ناواقف تھے اس لئے ایک اور مشکل درپیش ہوئی، لیکن میرے بیٹے محمد صالح اصغر سلمہ' جو ماشاء اللہ کمپیوٹر کا سسٹم انالسٹ ہے نے خود کمپوزنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور اب کوئی مشکل باقی نہ رہی۔

کمپوزنگ سے پہلے میں نے یہ سوچا کہ ترجمہ کے مستند ہونے کا یقین کر لیا جائے اور اس سلسلہ میں چند محافل منعقد کی جائیں، جب میں نے اپنی یہ تجویز ان کے سامنے رکھی تو شیخ احسن حجازی صاحب، جو ایک معروف ادیب اور شاعر ہیں اور میرے دونوں ہمکار اسے ماننے پر خوشدلی سے آمادہ نہ تھے لیکن انہوں نے میری دلجوئی کے لئے اسے قبول کر لیا، اگرچہ اس تجربہ کے نتائج حسبِ توقع برآمد نہ ہوئے، تاہم اس سے میر اور میرے دونوں ہمکاروں کا احساسِ ذمہ داری بڑھا اور ہمیں مستند لغات اور حوالہ جاتی کتب کے مطالعہ کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی، جن کی روشنی میں ہمیں اپنی دینی معلومات میں اضافہ کی سعادت ملی اور طلعت اور کامران اس کے ساتھ ساتھ می نویس و می نویس کی مشق سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔

صالح نے بڑی محنت سے باربار کی اصلاح کے بعد کئی کئی پرنٹ نکالے اور ہر بار اس نے مزید خلوص اور لگن کا مظاہرہ کیا اور اس دوران اسے جہاں بہت زیادہ محنت کرنا پڑی وہیں اسے انتہائی بلند روحانی تجربات نصیب ہوئے جن کی بابت اس نے اپنے تاثرات علیحدہ تحریر کر کے برائے استفادۂ قارئین شاملِ اشاعت کیے ہیں۔ صالح سلمہ' نے اپنا کام ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ کو مکمل کر لیا۔

ڈاکٹر چراغ حسین بخاری صاحب جو میری طرح مصنف کی اولاد میں سے ہیں نے نذر صابری صاحب کی معرفت ایک پر مغز مقالہ مصنف کی سوانح حیات اور کتاب کے بارہ میں لکھ کر بھیجا جس کی تلخیص اور چند دوسرے تجزیہ نگار، جو ان محافل میں شامل رہے کی آراء کے ملخص برائے استفادۂ قارئین شاملِ اشاعت کیے جا رہے ہیں۔

اگر اس ترجمہ میں کوئی غلطی پائی جائے تو اسے میری کوتاہی پر محمول کیا جائے، جس کے لئے میں سب متعلقین سے معذرت خواہ ہوں، البتہ اس میں جو خوبیاں تجزیہ نگاروں اور قارئین کو نظر آئیں وہ مصنفؒ کے فیض اور میرے والدِ محترمؒ کی محنتوں کا ثمر ہیں۔ خدا ان دونوںؒ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

میں اپنے دونوں معاونین اور دیگر احباب کا شکریہ ادا کر کے ان کا ثواب ضائع نہیں کرنا چاہتا، البتہ ان کی یادآوری میرا فرض تھا، انہوں نے اس کارِ خیر میں میرے ساتھ جو پر خلوص تعاون کیا ہے اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے جزائے خیر کا طلبگار ہوں۔

شکریہ

سید محمد ایوب بخاری

(مترجم)

بابِ اوّل

ایمان

اس باب میں ایمان سے متعلق پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : 6

"قل امنت باللّٰہ ثم استقم"

دوسری حدیث : 11

"ذاق اطعم الایمان من رضی باللّٰہ رباوّ بالاسلام دیناً و بمحمد صلی اللّٰہ علیہ رسولاً وّ نبیاً۔"

تیسری حدیث : 13

"الایمان عریان و لباس التقویٰ"۔

چوتھی حدیث : 15

"اذا سرتك حسنتك و ساتك سئيتك فانت مومن"

پانچویں حدیث : 15

" المومن من امنه الناس علی دمائهم و اموالهم"

اس باب میں ایمان سے متعلق پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ پہلی حدیث یہ ہے۔

پہلی حدیث : "قل امنت باللہ ثم استقم" : "کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر قائم رہو"

مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی وحدانیت کی گواہی دو اور اُس کی ذات کو اُسکے اسماءِ صفات سمیت قبول کرو اور جس کے کرنے کا اُس نے حکم دیا ہے اُسے پورا کرو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو اور مستقل مزاجی سے اس روش پر قائم رہو۔

ایمان

اگر امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ایمان دل سے تصدیق کرنے زبان سے اقرار کرنے اور پانچ ارکانِ اسلام پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے اور شیعہ عدل کا اِن میں اضافہ کرتے ہیں، تو حنفی علماٗ زبانی اقرار اور دل کی تصدیق کو کافی سمجھتے ہیں۔ محققین کے نزدیک ایمان حضور ﷺ کے سچا ہونے کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ بھی انہوں نے فرمایا وہ اللہ کی طرف سے تھا۔

زبان سے اقرار اسلامی احکام کو جاری کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس قلبی کیفیت کے ساتھ نیک اعمال کرنا کمال حاصل کرنے کا سبب بنتا ہے اور اگر آپ مطلق ایمان کہیں تو اس سے مراد تصدیق بالقلب ہے۔

لغت کے لحاظ سے ایمان اور فارسی کا لفظ "گرویدن" [تصدیق و قبول کرنا] آپس میں مترادف ہیں اور یہ معنی محققین کے مذہب سے پوری مطابقت رکھتے ہیں اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علماٗ ایمان سے مراد ایمانِ کامل" لیتے ہیں اور محققین "ایمانِ مطلق"۔

حسنؒ تور پُشتی اپنی تصنیف "معتمد فی المعتقد" میں فرماتے ہیں کہ ایمان کا مادہ امن ہے جو خوف کی ضد ہوتا ہے اور اس سے مراد امان دئے جانے کے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنے والا آدمی خدا کے کلام اور آنحضور ﷺ کے اقوال پر کامل یقین رکھتا ہے۔ اگرچہ اسکی عقل میں یہ باتیں نہ بھی آئیں کہ ایک ہی رات میں عالمِ بالا اور جنت اور جہنم کی سیر فرما کر حضور ﷺ کس طرح اسی رات کی پو پھٹنے سے پہلے واپس گھر تشریف لے آئے یا قیامت کا ایک دن جو اس دنیاوی جنتری کے حساب سے ہزار سال پر محیط ہو گا وہی دن مقربینِ خدا کے لئے ایک لمحہ کے برابر ہو گا تاہم ایسا شخص حضورؐ کی پیشین گوئیوں اور آنحضرتؐ کے گذشتہ واقعات کے تذکرہ سے مطمئن رہتا ہے، اور اگر کوئی ایسی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تو اس صورتِ حال

(تردّد) کو وہ اپنی عقل کی کم مائیگی اور فکر کے فتور کا نتیجہ قرار دیتا ہے، نہ کہ وہ خدا کی قدرت اور آنحضورؐ کی صداقت پر شبہ لاتا ہے۔ اس لحاظ سے ایسا آدمی امن میں رہتا ہے اور اپنے آپ کو اپنی جان، اپنی اولاد اور اپنے مال کو شیطان کی گمراہی سے بچا کر اللہ کی پناہ میں لے آتا ہے اور اپنے آپ کو یا تو سراسر عذابِ آخرت سے بچالیتا ہے یا اس کے دوام سے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ایک صاحبِ ایمان کسی بات کو بھی ناممکن نہیں سمجھتا جیسا کہ مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ آسمان و زمین بلکہ ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو ایک مچھر کی کھال میں سمو دے اور وہ بھی مچھر کو بڑھائے بغیر اور کائنات کا حجم گھٹائے بغیر۔ عقل کے لئے یہ بات ناممکن ہو سکتی ہے لیکن قدرت کے لئے نہیں۔

ع پیشِ قدرت کار ہا دشوار نیست

قدرت کے سامنے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔

کچھ نادان لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے جیسا یا اپنے ماں باپ پیدا نہیں کر سکتا تو یہ ان کی نادانی اور حماقت کی انتہا ہے۔ اللہ ہمیں اس سے پناہ دے۔ ایسا مادہ وجود میں ہی نہیں لایا جا سکتا اور یہ بات خداوند تعالیٰ کی قدرت میں کسی نقص یا کمزوری یا کوتاہ بینی کو ظاہر نہیں کرتی۔

اللہ نام ہے معبودِ حقیقی کا جس میں معبودیت کی ساری صفتیں موجود ہیں اور یہ نام مخصوص ہے ذاتِ خداوندی کے لئے اور باقی موجودات اسی کے وجود سے مستفید ہوتی ہیں اور اسی کی ہستی کا جزو ہیں۔

یہ الہٰ سے نکلا ہے جس کے ھمزہ کے نیچے زیر ہے اور فِعال کے وزن پر ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ معبود صرف وہی ہے اور یہ مفعول کے معنوں میں بھی آیا ہے جیسے "امام" جسکے معنی ہیں کہ وہ اپنے پیروکاروں کا اسم مفعول ہے کیونکہ وہ پیٹھ پیچھے پیروی کیا گیا ہے۔ اسکے مفہوم میں جملہ صفاتِ متنوع یکجا پائی جاتی ہیں اور 'ا'، 'ل' اس پر اضافہ ہو کر اسکا لازمی اور بلا بدل جزو بن گئے ہیں جیسے النجه والصيق اور بعض لوگوں کے قول کے مطابق "ال" اس ھمزہ مکسورہ کے عوض ہیں جسے اختصار کے لئے حذف کیا گیا ہے۔ یہی موقف الصراح میں بھی ہے اور صاحب عنقاءٔ مغرب کا بھی یہی خیال ہے۔

حق جل وعلا کی معرفت کسی اور راہ سے ممکن نہیں اس تک رسائی کے لئے اسکے اسماءِ صفات ہی

رہنمائی کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اسم اور صفت اسی ایک مبارک نام کے لئے ہے۔ جسکے لئے لفظ اللہ مخصوص ہے لہٰذا حق سبحانہ' و تعالیٰ تک اسی نام کے وسیلہ سے پہنچا جا سکتا ہے اور اسکی ذات کے علاوہ اس نام کا کسی پر اطلاق نہیں ہوتا۔ نہ حقیقی معنوں میں اور نہ مجازی معنوں میں۔ جبکہ دوسرے اسمأ مجازی معنوں ہی میں سہی غیر اللہ کے لئے بھی بولے جاتے ہیں۔ اسی صورت میں دوسرے اسمأ کو اللہ کے اسمأ کہا جاتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ پس یہی اعظم الاسمأ ہے۔

نکاتِ اسرار میں لکھا ہے کہ یہ سمجھنا چاھئے کہ 'ا' و 'ل' کے اتصال سے اور پہلی 'ل' اس کے ساتھ مدغم کرنے سے اسم معظم اللہ ترکیب پاتا اور اسمِ اعظم بنتا ہے۔ اس دلیل کی رُو سے کہ یہ خدا کا ذاتی نام ہے تو جو بھی خدا تعالیٰ کو اس کے ذاتی نام سے یاد کرتا ہے اس نے گویا تمام اسمأ سے ذاتِ خداوند تعالیٰ کو یاد کر لیا۔ لیکن جس کسی کو جتنا عرفان اسکی ذات کا ہے اور جتنا علم و یقین اسکے بارہ میں ہے اسی نسبت سے اسکے قلب و ضمیر مستفید ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات اسمِ اعظم سے تنہا لفظ اللہ مراد ہوتا ہے خواہ اسے اکیلا استعمال کیا جائے یا دیگر اسمأ کے ساتھ ملا کر۔ جیسے اللّٰہ لا اله الا هو و اللّٰہ اكبر و لا اله الا اللّٰه و هو الحي القيوم و بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم و غير ذالك،، شرح اورادِ فتیحه کے مطابق جو کوئی اسمِ اللہ کو اپنا ورد بنا لے تو روحانیت کو جِلا بخشنے والے انوار کی اُس پر بارش ہوتی ہے اور وہ سکون کی منزل پر فائز ہوتا ہے۔

شیخ ابو اسحٰق گازرونی قدس اللہ سرہ' نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی دن میں ایک ہزار مرتبہ ''اللہ اللہ'' پکارے گا تو اُسے اللہ تعالیٰ اصحابِ یقین ایسی دولتِ ایمانی سے مالا مال کر دے گا۔

استقامت

الصراح میں استقامت کو سیدھا کھڑے ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے اور شیخ عبدالحق نے اپنی شرح میں کہا ہے کہ استقامت سے مراد انسان کا راہِ حق کو اختیار کرنا اور راہِ راست پر قائم رہنا ہے اور یہاں اس سے مراد تمام اوامر و نواہی کو بجالانا ہے۔ یعنی جو شخص فرائض واجبات اور سنن اور مستحبات پورے کرتا اور کفر و حرام اور مکروہات سے باز رہتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے راستے پر چل کر ان کی اتباع کرتا ہے اور اپنے قول و فعل اور ارادہ میں ان کی پیروی کو اپنا شیوہ بناتا ہے تو یقیناً وہی شخص سیدھی راہ پر کھڑا ہے۔

کسی شخص نے ابو حفص حداد سے جو اپنے وقت کی جلیل القدر شخصیت تھے پوچھا کہ کونسا عمل افضل ترین ہے تو انہوں نے جواباً فرمایا ''استقامت''۔

بو علی جرجانی کہتے ہیں ''استقامت تلاش کرو نہ کہ کرامت، تیرا نفس تو کرامت کا طلبگار ہے اور خدا تجھ سے استقامت چاہتا ہے''۔ لہذا وہ بات اختیار کرو جو خدا کو مطلوب ہے بمقابلہ اسکے جو تیرا نفس چاہتا ہے۔ وہی فرماتے ہیں کہ کرامت استقامت کے حصول کے لئے ظاہر ہو سکتی ہے۔ لیکن جس کے ہاتھوں بھی کوئی خوارق عادت ظاہر ہوتی ہو تو اسے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اسکا کوئی دخل اللہ کے کاموں میں نہیں ہے بلکہ اس سے تو اس کے امور غیب پر یقین میں اضافہ ہونا چاہیئے اور اُسے اوامر پر قائم رہنے اور نواہی کو چھوڑ دینے پر پامردی دکھانی چاہیئے۔ اور ایسا نہ ہو کہ وہ کہیں استقامت کو کرامت پر قربان کر دے اور نیک عمل چھوڑ کر منکرات پر عمل پیرا ہو جائے اگر اس نے ایسا کیا اور کرامت اور خوارق عادت اسے حاصل ہوئیں تو اسکی مثال جوگیوں کی طرح ہو گی۔ جو بارہ سال تک اسلئے سخت تپسیہ کرتے ہیں کہ انہیں آسمان کی طرف اڑان نصیب ہو یا وہ کوئی اور غیر معمولی کارنامہ سر انجام دیں تو ان کی اس خواہش میں جو نقص ہے وہ واضح ہے۔

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن
کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند (حافظ)

''تو بھکاریوں کی طرح عوض کی لالچ میں عبادت نہ کر خدا خود بندہ پروری کے طریقے جانتا ہے۔''

حضرت یعقوبؒ چرخی اپنے رسالہ میں کہتے ہیں ''کہ استقامت دو طرح کی ہے۔ استقامتِ ظاہری، اس سے مراد شریعت کی ظاہری حدود کی پابندی اور استقامتِ باطنی، اس سے مراد ایمانِ حقیقی ہے جیسا کہ ہمارے خواجہ نقشبندؒ وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے دل کو خود غرضی سے پاک کرنا اور وہ خواہشات جو نفسِ انسانی کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں اور خدا سے غافل کرتی ہیں ان کو ترک کرنا استقامت ہے''۔ شیخ الشیوخ، شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ' عوارف المعارف میں ابنِ سالم کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ایمان یعنی ایمانِ حقیقی کے چار رکن ہیں۔

۱۔ تقدیر کے برحق ہونے پر ایمان لانا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو گا وہ حق تعالیٰ کی خواہشِ ازلی ہے

۲۔ اللہ کی قدرت پر کامل یقین رکھنا کہ وہ جو چاہے ایجاد کرے، اسمیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔

۳۔ اپنی کج بینی اور طاقت کے گھمنڈ میں خدا سے دور نہ ہونا۔

۴۔ تمام معاملات میں اللہ سبحانہ' سے استعانت طلب کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو واقعہ بھی پیش آئے مدد اور یاری خدا سے مانگی جائے کہ وہی کارساز اور خالق ہے نہ کہ کوئی اور۔

ابنِ سالم سے پوچھا گیا کہ ایمان بقدرت سے کیا مراد ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ''میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں اور اس سے منکر نہیں ہوتا کہ اگر کوئی بندۂ مقربِ خدا مشرق میں ہو اور اللہ اس کو یہ کرامت اور بزرگی عطا فرمائے کہ وہ اپنی دائیں طرف سے بائیں طرف مڑے بغیر مغرب میں پہنچ جائے تو

میرے نزدیک اس کے برحق اور جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا"۔

شیخ الشیوخؒ فرماتے ہیں کہ "مکہ معظمہ میں مجھے ایک فقیر نے یہ قصہ سنایا کہ کچھ لوگ ایک آدمی کو جو بغداد میں رہتا تھا مردہ سمجھ کر اس پر رو پیٹ رہے تھے کہ خدا تعالیٰ نے اس فقیر پر یہ کشف فرمایا کہ وہ اپنی آنکھ سے بغداد کے بازار میں گھوڑے پر سوار اس "مردہ" کو چلتا پھرتا دیکھ لے چنانچہ اس نے اس سوار کے بارہ میں اس کے بھائیوں سے کہا کہ وہ مرا نہیں "اور یہ بات اسی طرح ہوئی جس طرح اس نے کہا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ مدینہ منورہ میں منبر پر خطبہ فرماتے ہوئے پکار اٹھے "یا سارية الجبل" حاضرینِ مجلس میں سے کچھ نے کہا "ساریہ تو نہاوند میں ہے جو یہاں سے چالیس روز کی مسافرت پر ہے اور یہ بندہ کیا کہہ رہا ہے" تو حضرت علی نے فرمایا ["خوف کن کہ ایں مرد است کہ از عہدۂ سخن خود خواہد برآمد"] "خدا سے ڈرو یہ وہ جوانمرد ہے جو اپنا قول پورا کر دکھائے گا"۔ جب لشکر فتح کے بعد واپس آیا تو انہوں نے بتلایا کہ "جب دشمن نے ہم پر دباؤ بڑھایا اور قریب تھا کہ اسلام کا لشکر شکست کھا جائے کہ ہم نے یہ آواز سنی "یا سارية الجبل" یعنی پہاڑ کی گھاٹی میں پناہ لے اور اس پر ٹھکانہ بنا یا پہاڑ کی طرف متوجہ ہو اور اس سے محتاط رہ کہیں دشمن وہاں گھات لگائے نہ بیٹھا ہو، چنانچہ ہم نے جلدی سے اس پر عمل کیا کیونکہ یہ آواز حضرت عمرؓ کی معلوم ہوئی تھی اور اُن کے حکم پر عمل کرنے سے فتحِ عظیم حاصل ہوئی" اور جب اس بات کی تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ وہی تاریخ اور جنگ کا وہی وقت تھا جب حضرت عمرؓ نے صدا بلند کی تھی۔

حضرت سلیمانؑ کے وزیر آصف برخیا کا پلک جھپکنے میں یمن سے بیت المقدس میں تختِ بلقیس کو اللہ کا نام ایک بار یا تین بار لیکر اٹھا لانا اسی ضمن میں آتا ہے۔ مشہور ترین روایات میں سے ہے کہ جو اسمِ ربانی برخیا نے ورد کیا تھا وہ "اھیاؤ شراھیا" تھا، جس کے معنی ہیں "یا حیُّ یا قیوم" اور یہ قصہ تو قرآن کریم میں مذکور ہے۔

یہ واقعات صرف ماضی سے متعلق نہیں ہیں بلکہ اس زمانے میں بھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔ ایک حاجی نے خود مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ "ایک شخص ہمیشہ گریہ وزاری کرتے ہوئے ندامت کا اظہار کرتا رہتا تھا میں نے اس سے اس پریشانی کا سبب پوچھا تو اس نے بتلایا کہ 'میں ایک بحری جہاز میں سوار تھا جو تباہ ہو گیا اور میں ایک تختے پر تیرتا ہوا ایک جزیرہ میں جا پہنچا جہاں میں نے ایک حجرہ دیکھا جسمیں میں نے جھانکا تو ایک آدمی نظر آیا جس کے انگ انگ جدا تھے جب میں اس کے نزدیک گیا تو وہ شخص مرتب ہو کر بیٹھ گیا اور مجھے کہا "تجھے کھانے کی طلب ہوگی" یہ کہہ کر وہ حجرے کے ایک کونے میں گیا اور وہاں سے میرے لئے بہت لذیذ اور مزیدار کھانا لے آیا جو میں نے پیٹ بھر کر کھایا اور اس سے پوچھا "تو کیسا شخص ہے کہ اس صحرا میں پڑا ہے؟' اس نے کہا "اللہ نے مجھے لوگوں کی نگہبانی کا فریضہ سونپا ہوا ہے جو مصیبت بھی آئے اُسے

میں اللہ کی دی ہوئی توفیق سے دور کر لیتا ہوں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ایک ایسی مصیبت ہے جو دور نہیں ہو رہی اور جب میں نے اس کی طرف نظر کی تو میں بے ہوش ہو گیا۔ فی الواقع یہ بہت بُری ابتلا تھی کہ مجھے تو اسے دیکھنے کا یارا ہی نہ رہا" اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا "تمہیں جس چیز کی حاجت ہے بیان کرو اللہ کے کرم سے اُسے پورا کیا جائے گا" میں نے عرض کیا "وطن سے دور پڑا ہوں اگر گھر پہنچ جاؤں تو کیا بہتر ہو" اس نے کہا "آنکھیں بند کرو"۔ میں نے جونہی آنکھیں بند کر کے کھولیں تو اپنے آپ کو اپنے وطن میں پایا۔ میں نے اسی وقت اظہارِ افسوس کیا کہ میں نے کچھ اور کیوں نہ طلب کیا"'۔ یہ بات تو کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی عنائت، عطا اور اسکی دی ہوئی قدرت سے ہے جو وہ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے لیکن اللہ اور اُس کے خاص بندوں کے کام عقلِ انسانی کی پہنچ سے دور ہیں۔

آنحضورﷺ نے فرمایا کہ "مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا"۔ ابو علی نسفی، جنہوں نے حضورؐ کو فی الواقعہ دیکھا تھا، آپؐ سے سوال کیا "یا رسول اللہ! آپ کا یہ فرمانا کہ مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا اس سے سورۃ ہود کا کونسا مضمون مراد ہے" آپؐ نے فرمایا "فاستقم کما امرة" 'اس پر قائم رہ جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے'۔ اور چونکہ استقامت تمام اوامر و نواہی پر بلا کم و کاست اور بلا شک و شبہ عمل کرنے کا نام ہے لہذا اس کا حصول تمام دشواریوں سے دشوار تر ہے۔ اور خاتم الانبیاءؐ کے فرمان کا یہی مفہوم ہے۔ واعظ نے کیا خوب کہا ہے کہ 'اے عزیز! جس کا قدم پختہ نہ ہو اُسکی محنت ضائع جاتی ہے'۔

دوسری حدیث:

"ذاق اطعم الایمان من رضی باللہ ربآ و بالاسلام دیناً و بمحمد صلی اللّٰہ علیه رسولاً وَّ نبیّاً"۔

"ایمان کی لذت وہی چکھ پاتا ہے جو خدا سے جو اسکا پروردگار ہے خوش رہتا ہے اور اسی کے فیصلے کو برضا و رغبت قبول کرتا ہے اور اس کی بندگی کو اپنا فرض سمجھتا ہے، اسلام کو اپنے دین کے طور پر قبول کر کے فرحت پاتا ہے اور جو کچھ اسلام کے اصولوں میں ہے ان پر عمل کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنا پیغمبر مان کر راضی ہوتا ہے اور انہی کی اتباع میں اپنی زندگی گذارتا ہے۔"

علماء کہتے ہیں کہ رضا 'خشم' (جھنجھلاہٹ) کو ترک کرنے کا نام ہے۔ 'خشم' قضائے خداوندی پر چیں بجبیں ہونے اور جو کچھ پیغمبرؐ منجانبِ اللہ لے کر آئے اور اُسے بیان فرمایا، اُس کے خلاف عمل کرنے کو اچھا اور بھلا جاننے کو کہتے ہیں ایسا کرنے والا شخص لذتِ ایمان سے محروم رہتا ہے بلکہ ایسا عقیدہ کفر کی جانب کھینچ لے جاتا ہے۔

روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرانِ خدا میں سے ایک پیغمبرؑ نے ایسی سختی پر جو اسے درپیش آئی اللہ

تبارک تعالیٰ سے دل میں شکایت کی تو اُس پر وحی نازل ہوئی کہ تجھے مجھ سے شکایت ہے میں تو سز اوارِ شکایت نہیں کیا پہلے تیرا علمِ غیب ایسا تھا اگر نہیں تو تُو میرے کئے پر راضی کیوں نہیں۔ کیا تُو چاہتا ہے کہ تیری وجہ سے میں لوحِ محفوظ کے لکھے کو اُلٹ دوں اور آسمان کو زیر و زبر کر دوں تاکہ تیری خواہش پوری ہو نہ کہ میری اور وہی ہو کر رہے جسے تو پسند کرتا ہے اور وہ نہ ہو جسے میں پسند کرتا ہوں۔ مجھے اپنی عزت کی قسم اگر دوبارہ ایسا وسوسہ تُو اپنے دل میں لایا تو میں پیغمبری کی خلعت تجھ سے لے لوں گا اور تجھے دوزخ میں ڈالوں گا اور اس میں مجھے کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔

ان حالات میں عقل مند آدمی کے لئے ضروری ہے کہ ان عقوبتوں اور تنبیہوں پر سختی سے دھیان دے اگر انبیؑا و اصفیؑا میں سے کسی نے ایسی شکایت کو اپنے دل میں جگہ دی تو اُس کا یہ حال ہوا تو وہ لوگ جو ہمیشہ شکائتوں کا واویلا زور شور سے کرتے ہیں اُن کا کیا حال ہو گا؟۔

'اَللّٰھُمَّ وَ فِّقنَا اِلیٰ رِضاءِ بِقضَا ئِكَ"

"اے اللہ ہمیں اپنی قضا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرما"

رضا اعلیٰ ترین مقامات میں سے ہے جس پر پہنچ کر بندہ اللہ کی طرف سے آنے والی ہر چیز پر راضی ہو جاتا ہے اور وہ اسی میں اپنا عملی اور معنوی فائدہ دیکھتا ہے اور اس کے برعکس یا اس کے خلاف کسی شے میں نفع نہیں سمجھتا اور اس موقع پر وہ کسی چوں و چرا کا تصور تک نہیں کرتا

؎ چرا؟ مگو کہ چرا دست اجل است زچو؟ ملاف کہ چوں نیز پائمال قضا است

(چرا) کیوں؟ نہ کہہ "کیوں" تو اجل کا ہاتھ ہے

(چو) کیسے؟ کا اضافہ بھی نہ کر "کیسے" بھی تو قضاء کے پاؤں تلے ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ نے فرمایا "کہ ہمارے مشائخ کہہ گئے ہیں کہ جو قضا کر دی گئی ہیں وہ چار چیزیں ہیں مثلاً (۱) نعمت جیسے صحت، فراغت، مالِ حلال اور صالح اولاد یہ دنیا کے لئے نافع ہیں اور (۲) سختی جیسے جسمانی امراض، بدنی سقم اور مال جائیداد کا نقصان جو دنیا کے لئے مضر ہیں اور (۳) خیر جیسے اطاعت، عبادت جو دین کی بھلائی اور اللہ تعالیٰ سے قربت کا سبب ہے اور (۴) شر جیسے معصیت، خطاکاری جو اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتی ہے لیکن جب بندے کو نعمت نصیب ہو تو اُس پر لازم ہے کہ وہ صاحبِ حکم کا ممنون ہو اور جو کچھ اس کا حکم ہے اس پر صبر کرنا بھی لازم ہے خواہ اس میں سختی ہی کیوں نہ ہو۔ بھلائی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا واجب ہے کہ اس میں بھلائی ہے اور خدا نے یہ توفیق عنائیت فرمائی ہے۔

شر کی صورت میں اظہارِ رضا فرض بنتا ہے کیونکہ یہ امرِ ربی ہے نہ اس لئے کہ نفس شر پر شکر ادا کیا جا رہا ہے البتہ شر سے خدا کی پناہ مانگنا انسان کا فرض بنتا ہے کیونکہ شر میں ضرر ہوتا ہے اور اس سے بچنے کے

لئے حکم اور حاکم کی طرف رجوع ضروری ہے۔

یہ اسی طرح ہے کہ اگر تو مخالف کے مذہب کے وجود کو برداشت کرتا ہے تو اس سے یہ تیرا مذہب نہیں بن جاتا بلکہ ایسا کرنے سے تو معلوم کو علم کی طرف واپس پھیر دیتا ہے۔ اور اس طرح تو نہ غیر کے مذہب سے پیار کرتا ہے اور نہ اسے قبول کرتا ہے۔ قضائے شر پر راضی ہونا بھی انہی معنوں میں ہے۔

لفظ اللہ کی تشریح حدیثِ اول میں ہو چکی ہے۔

رب اصل میں مالک اور پالنے والے کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق سوائے حق سبحانہ و تعالیٰ کے کسی اور پر نہیں ہوتا۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ خدا میرا مالک ہے رب ہے اس نے مجھے پیدا کیا وہ روزی بہم پہنچا کر مجھے پالتا ہے اور بالآخر وہی بخشش کرنے والا ہے تو اس سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ لفظ "رب" میں وجودِ مخلوق مضمر ہے۔ ابی دردؓ اور ابنِ عباسؓ سے امام حسن بصریؒ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "رب" اسمِ اعظم ہے۔

اسلام سے مراد گردن رکھ دینا ہے۔

دین ان تمام نیک اعمال کا نام ہے جن کے پیچھے یقین اور خلوص موجود ہو۔

لفظ محمدؐ کے معنی ہیں جسکی تعریف کی گئی اور جس کے اوصاف اللہ، ملائیکہ اور مومنین نے بیان کئے۔

رسول کے معنی ہیں فرستادۂ برحق جن کی تعلیمات میں کسی صورت جھوٹ کا شائبہ تک نہ ہو اور اس بات پر یقین کرنا واجب ہے کہ تمام پیغمبرؑ راست گو اور صغیرہ کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہیں۔

تیسری حدیث : 'الایمان عریان و لباس تقویٰ"

"ایمان ننگا ہوتا ہے جس کی پوشاک تقویٰ ہے۔"

الصراح میں مذکور ہے کہ تقویٰ سے مراد پرہیزگاری اور شریعت میں اپنے آپ کو ایسے فعل اور ترک سے بچانا جو مستوجب عذاب ہو، یعنی ایمان کی حفاظت تقویٰ سے ہی ممکن ہے۔

لباس سے مراد وہ لباس ہے جو جنگ میں پہنا جاتا ہے جیسے زرہ اور خود وغیرہ جو دشمن کے تیر و تلوار کے حملے کو جسم پر کارگر نہیں ہونے دیتا اور اگر یہ لباس موجود نہ ہو تو نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔ پس تقویٰ ایمان کا لباس ہے۔ اسکے بغیر چھپے ہوئے اور آشکار دشمن سے، جو انسان کے اپنے نفس اور شیطان کی صورت میں ہوتے ہیں، بچنا اور رہائی پانا مشکل ہوتا ہے۔ ایمان کی بقا کی تین شرطیں بیان کی گئی ہیں :

اول : حصولِ ایمان سے انسان ہمیشہ خوش رہے کہ حق تعالیٰ نے اُسے صرف اپنے فضل و کرم سے اس عظیم مرتبہ سے نوازا ہے۔

دوم: ایمان کے زائل ہونے کا غم ہر وقت رکھنا۔ کیونکہ یہ غم تمام غموں سے زیادہ دردناک اور سخت ہوتا ہے۔ بلکہ زوالِ ایمان کی خسارت کے مقابلہ میں تو کوئی کسی خسارہ کا تصور بھی نہیں کرسکتا کیونکہ اس نقصان کی تو کوئی انتہا ہی نہیں اور اس کے مقابلہ میں سارے گھاٹے کالعدم ہو جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ اگر کوئی شخص اس نقصان میں پھنس گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ گوناگوں عذابوں میں مبتلا ہوتا چلا جائے گا۔

سوم: اپنے آپ کو ان ظاہری اور باطنی برائیوں سے بچانا کہ جن میں ایمان کا نقصان ہو۔

تقویٰ لباسِ ایمان ہے اُس کی ان تین شرائط پر پابندی کرنا چاہئے تاکہ ایمان صحیح و سلامت رہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" ولقد وصیناالذین او تو الکتاب من قبلکم وایاکم ان التقواللہ" : "میں اُن لوگوں کو وصیت کرتا ہوں جنہیں کتاب عطا کی گئی یعنی تمہیں اور تم سے پہلے کی امتوں کو بھی کہ محتاط رہئے خدا تعالیٰ سے"۔

پس تقویٰ بہترین خصلت ہے کہ اللہ نے اولین وآخرین کو اسی کا حکم دیا ہے ججۃ الاسلام امام محمد غزالی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں ہر کسی سے زیادہ مہربان، زیادہ شفیق اور زیادہ خیر خواہ ہے اور بندوں کی بھلائی کو سب سے زیادہ سمجھنے والا ہے اور اگر دنیا میں اس خصلت سے کوئی اور خصلت زیادہ صالح اور بھلائی میں وسیع اور ثواب میں عظیم اور امیدیں بر لانے میں مؤثر ہوتی تو اللہ بندوں کو اسی کا حکم دیتا۔

لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ تقویٰ کی خصلت دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے سب سے برتر اور سب سے مؤثر ہے۔ اس سے پہلوتہی کسی طرح جائز نہیں کیونکہ اس کے بغیر کوئی مقصد ہے ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تمام نصیحتیں اور تمام فوائد اس ایک نصیحت میں شامل فرما دیئے کیونکہ یہی اس کی رحمت وحکمت کے شایانِ شان ہے۔

شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ' عوارف میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کو "قطب القرآن" کہا گیا ہے کیونکہ تمام احکام اسی کے گرد گھومتے ہیں۔

تقویٰ کی پانچ اقسام ہیں۔ شرک سے بچنا، حرام اور بدعات سے بچنا اور شکوک و شبہات اور دنیا کی بے ہودگیوں سے پرہیز کرنا اور جو چیز بھی خدا کی قربت اور محمد مصطفیٰؐ کی اتباع سے روکے اس سے دور رہنا۔

اکثر احادیثِ نبویؐ اور مشائخ وعلماء کے اقوال میں یہ بات آئی ہے کہ تقویٰ سے مراد آخری قسم ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی شخص تقویٰ کی اعلیٰ منزل پر اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ اس عادت کو نہ چھوڑے جو اسے نڈر کر دیتی ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ جس چیز سے بے خوف ہو اسی میں خطرہ ہو۔

چوتھی حدیث: "اذا سرتك حسنتك و ساتك سيئتك فانت مومن"

جب تجھ سے کوئی نیکی صادر ہو اور تو اس لئے اس پر خوش ہو کہ اللہ نے تجھے اس کی توفیق دی اور تیری مدد فرمائی کہ تجھ سے اس کی اطاعت سرانجام پائی اور تجھے اس نے اپنی قربت اور ثواب کی امید عطا کی اور یہ کہ جب تجھ سے کوئی گناہ یا برائی سرزد ہو اور اس وجہ سے تو غمگین اور بدحال ہو جائے کہ یہ تجھے خدا سے دور کر دے گی تو یہ اس کا بہت بڑا فضل ہے کہ تجھ پر اس نے اپنا خوف طاری کر دیا۔ پس تو مومن ہے اور خوف اور رجاء ایمان کے دو شہپر ہیں جو تیرے وجود میں پیدا ہوئے اور یہ گواہ ہیں تیری توحید اور تصدیق کے اور یہ خوش بختی تجھے اطاعت کی توفیق اور گناہ پر غمگین ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی اور یہ اس آیت کا مصداق ہے۔

فمن يعمل مثقال ذرة خيرايره ومن يعمل مثقال ذرةٍ شراً يره

جب یہ بات یقین کی طرح درست ہے کہ ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر بدی دیکھی جائے گی اور ضائع نہ ہوگی تو انسان کو نیکی پر خوش اور بدی پر غمگین ہونا ہی چاہئے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے "موت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ انسان نیکی پر خوش اور بدی پر غمگین نہ ہو"۔

حضور صلی اللہؐ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ گناہ کو اتنا ہیبت ناک تصور کرتا ہے کہ گویا ایک پہاڑ اس کے سر پر گرا چاہتا ہے اور منافق اسے اتنا ہلکا پھلکا کہ گویا ایک مکھی اس کی ناک پر سے گزر گئی، یعنی گناہ سے اُسے خوف وخطر نہیں ہوتا۔ مومن گناہ کی وجہ سے دل گرفتہ ہوتا ہے جبکہ منافق اس کے برعکس۔ مومن کو نیکی کے صلہ کی امید پر مسرت حاصل ہوتی ہے اور منافق کو اس میں شک ہی رہتا ہے۔

اللهم اجعلنا من الراضين والخافين.

اے اللہ ہمیں راضی برضا ہونے والوں میں اور گناہوں سے خوف کھانے والوں میں رکھ۔

پانچویں حدیث: المؤمن من امنه الناس على دمائهم و اموالهم.

مومن کامل وہ ہے جسے لوگ اپنی جان ومال کا امین بنائیں اور اس بات سے مطمئن ہوں کہ وہ ان کی جان ومال میں کوئی خیانت نہ کرے گا اور اس کی طرف سے لوگوں کو اطمینان ہو کہ وہ ان سے کوئی بدی نہیں کرے گا اور لوگوں کے ذہن میں اس سے ضرر پہنچنے کا گمان تک نہ ہو۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے مت ڈر جو بھی صورت وسیرت میں

پیرویٔ پیغمبر سے آراستہ ہیں سوائے نیکی کے ان سے کچھ اور توقع نہ رکھ۔ اس لئے ان پر بھی درگاہِ لم یزل سے کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔ "ان اولیأاللّٰہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون" یہ آیت انہی لوگوں کی شان میں ہے اور اولیاء اللہ کی ایک نشانی یہ ہے کہ ان کی زیارت یادِ خدا کا سبب بنتی ہے اور شقی لوگوں کی بھی ایک نشانی ہے کہ ان کو دیکھ کر دل میں خوف اور لرزہ طاری ہوتا ہے کیونکہ جو برے لوگ ہیں ان کے ضرر سے بندگانِ خدا محفوظ نہیں ہوتے۔

امن کا مقام درجہ بدرجہ ہے۔ بعض اللہ والے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ وحشی جانور بھی ان سے خوف نہیں کھاتے، کجا انسان اور جب یہ لوگ بیابانوں اور رہگزاروں میں اکیلے رہ جاتے ہیں تو جنگلی جانور اور پرندے ان کی خدمت گذاری میں لگ جاتے ہیں اور ان کی مشکلات میں ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

جیساکہ مشہور ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام سفینہؓ لشکرِ اسلام سے بچھڑ گئے اور ان کا جنگل سے سابقہ پیش آیا اور وہاں ایک شیر کی ان سے ملاقات ہوئی۔ سفینہؓ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے ابو الحارث میں آنحضرتؐ کا غلام ہوں اور میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا یعنی اس نے لشکرِ اسلام سے بچھڑ جانے کا ماجرا بیان کیا، شیر نے اپنا سر ان کے آگے رکھ دیا اور پالتو کتوں کی طرح چاپلوسی سے دُم ہلاتے ہوئے ان کے پہلو میں آن کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور جدھر سے کوئی آواز آتی تو ان کی حفاظت کے لئے ادھر کا رخ کرتا اور پھر حضرت سفینہؓ کی طرف لوٹ آتا۔ حتیٰ کہ وہ لشکرِ اسلام تک پہنچ گئے اور شیر واپس ہو گیا۔

حضرت معاذؓ کے پاس آکر آنحضرتؐ کی وفات پر جنگلی جانوروں کا تعزیت کرنا تو ایک مشہور واقعہ ہے۔

حضرت حسن افغانؒ، حضرت غوث العالم مخدوم بہاؤالدین زکریا رحمته الله علیه کی خدمت پر مامور تھے۔ وہ ایک دن جنگل سے گھاس پھونس اور ایندھن لینے گئے۔ وہاں ان کا باربردار جانور گم ہو گیا انہوں نے اسے بہت ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملا اسی اثنا میں ایک شیر سر جھکائے ان کے قریب آیا۔ جس پر انہوں نے اپنا بوجھ ڈالا وہ اسے اٹھا کر چل پڑا حتیٰ کہ وہ غوث العالمؒ کی درگاہ تک پہنچا تو حسنؒ نے شیر کو چھٹی دی۔ غوث العالمؒ نے کہا، 'حسن! آئندہ ایسا عمل نہ کرنا۔ کیونکہ کرامت کے اظہار سے اولیاء اللہ کو ندامت ہوتی ہے'۔

اولیاء اللہ سے متعلق لاتعداد نشانیاں، روایات اور حقائق مشہور ہیں جو اصحابِ نظر سے ڈھکے چھپے نہیں۔ اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

باب دوم

بناہائے اسلام

اس باب میں بناہائے اسلام سے متعلق پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : 18

"من یشھدان لا الہ الااللہ وانی محمد الرسول اللہ حرم اللہ علیه النار"

دوسری حدیث : 19

"من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر"

تیسری حدیث : 22

"ما من رجل لا یوء دّي زكوٰة ماله الاّ جعل الله یوم القیمة فی عنقه شجاعاً"

چوتھی حدیث : 24

"الصّوم لي و انا اجزي بهٖ"

پانچویں حدیث : 26

"یا اء یهاالناس فرض علیكم لحج فحجوا"

اس باب میں بناہائے اسلام سے متعلق پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : "تشہد"

'من يشهدان لا اله الاالله وانى محمد الرسول الله حرم الله عليه النار'

جو شخص یہ گواہی دیتا ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور لاریب وبلاشبہ میں محمدؐ اللہ کا رسول ہوں تواس پر خدا دوزخ کی آگ حرام ٹھہرا دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب اس بات کا ثبوت مسلسل موجود ہے کہ بہت سے گناہگار کلمہ گو جہنم رسید ہوئے ہیں جو بعد میں اللہ کے فضل سے اور کلمہ طیبہ کی برکت سے یا حضورؐ کی شفاعت سے یا علماء و صلحاء کی سفارش پر عذاب سے رہائی پائیں گے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ اہلِ اسلام کے گناہ گاروں کی دوزخ میں پکڑ کا زمانہ سات ہزار سال ہو گا جو اس دنیا کی عمر ہے تو نعوذباللہ آگ حرام قرار دیئے جانے کے کیا معنی ہوئے ؟۔اس اعتراض کے جواب میں چند ایک توجیحات ہیں۔

ا۔ جس آگ کا تذکرہ اس حدیث میں کیا گیا ہے وہ صرف کفار کے لئے مخصوص ہے۔

۲۔ دائمی طور پر آگ کے عذاب میں رہنے کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔یعنی وہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے جو شخص اپنے آخری سانسوں میں تائب ہوا اور اس نے کلمہ لاالہٰ اِلا اللہ پڑھا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ فرائض اور حقوق جو اس کلمہ کے پڑھنے سے واجب ہوتے ہیں ان کو ادا کیا جائے اور کلمہ گو شریعت کے احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جو اس پر فرض ہیں انہیں بجالائے اور اس پر قائم رہے اور نواہی مثلاً شرک، حرام اور بدعتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ تو جو بھی اس صفت سے موصوف ہوا پس وہی بجالایا، کلمہ کے فرائض اور حقوق اور اسی پر خدا نے آگ حرام ٹھہرائی اور یہ احوال اور افعال اس کی بخشش کی دلیل ہیں۔

سعیدؓ ابن مسیّب فرماتے ہیں کہ یہ حکم اوامر ونواہی کے نفاذ سے پہلے کا ہے اس وقت صرف کلمہ پڑھ لینا اور اس کے معنوں پر اعتقاد پختہ کر لینا فرض تھا۔

یہ جان لینا چاہیئے کہ پانچ چیزیں کلمہ میں فرض ہیں :

ا۔ اپنی ساری عمر میں ایک بار کلمہ پڑھنا، اگر کوئی شخص عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں توحیدِ حق سبحانہ ٗوتعالیٰ اور حضرت محمدؐ کی نبوت پر ایمان لا کر اس کا اقرار کر لے تو یہ اس کو مسلمان تو بنا دیتا ہے مگر اس سے عربی زبان میں ایک بار کلمہ پڑھنے کا جو مستقل فرض ہے وہ ساقط نہیں ہوتا۔

۲۔ صحت تلفظ فرض ہے۔

۳۔ کلمہ کے معنی جاننا فرض ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص کہے کہ کلمہ پڑھو تو کلمہ پڑھنا فرض ہو جاتا ہے۔

۵۔ کلمہ کے معنی پر یقین کامل رکھنا اور اس عقیدہ پر قائم رہنا اہل اسلام کا لازمہ ہے جو کسی لمحے ان سے جدا نہیں ہو سکتا اور اس پر اعتقاد رکھنا دائمی فرض ہے۔ مومن کسی حال میں اس عقیدہ سے خالی نہیں رہ سکتا کہ خدا تعالیٰ ایک ہے اور حضرت محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ذبح کے وقت تکبیر پڑھنا بھول جائے تو بھی اس کا مذبوحہ حلال ہوتا ہے کیونکہ اپنے اعتقاد کے کمال کی وجہ سے مومن ہمیشہ یادِ خدا میں مصروف رہتا ہے۔

دوسری حدیث : "صلوٰۃ"

'من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر'

اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر اور عذرِ شرعی کے بغیر نماز چھوڑی تو یقیناً وہ کافر ہو گیا۔

حدیث کی رو سے اہل قبلہ کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر قرار دینا منع ہے اور تارک صلوٰۃ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے لہذا اس حدیث کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ ایسا شخص کفر کے قریب چلا جاتا ہے چونکہ عرف عام میں قریب کو داخل کا درجہ دیا جاتا ہے اس لئے ترک صلوٰۃ کو کفر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور چونکہ ایسا شخص اس گناہ عظیم پر ملال نہیں کرتا اور اسے معمولی سمجھتا ہے اس لئے اسے عذاب کی وعید دے کر ترکِ صلوٰۃ سے باز رہنے کے لئے یہ کچھ فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ نماز مومن اور کافر کے درمیان حجاب اور پردے کا کام دیتی ہے۔ اس لئے جب دو افراد کے درمیان سے دیوار اٹھ جاتی ہے تو دونوں کی حویلی ایک ہو جاتی ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مطابق تارک صلوٰۃ باوجود اس کے کہ مسلمان رہتا ہے اس کا قتل جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے مطابق تارک صلوٰۃ کو قید کر کے اِسے اس وقت تک جسمانی سزا دی جائے جب تک وہ نماز گذار نہیں ہو جاتا۔ بعض صحابہؓ کا قول ہے کہ اس آیت کے ظاہری معنی تارک صلوٰۃ کی تکفیر پر دلالت کرتے ہیں۔

تفسیر حسینی میں تیسیر کے حوالے سے محمد بن سلام سے یہ روایت کی گئی ہے کہ جب مجھ تک یہ حدیث پہنچی تو میں نے حضورؐ کے اپنے اُس فرمان کے مطابق "میری احادیث کو کتاب خداوندی پر پرکھو اور اگر اس کے موافق پاؤ تو قبول کر لو" یہ تلاش شروع کی کہ اس حدیث کے موافق قرآن سے کوئی آیت ملے اور تیس سال کے غور وخوض کے بعد میں نے یہ آیت اس کے موافق پائی۔

و اقیمو الصلوٰۃ و لا تکونو من المشرکین

نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ بنو۔ یعنی جان بوجھ کر ترک صلوٰۃ کرنے والا مشرکین میں شمار ہوگا۔ اور حسن التوسل فی آداب زیارت افضل الرسل کے حوالے سے اگر کوئی شخص حج یا زیارت رسولؐ کے راستے میں دورانِ سفر بغیر عذر شرعی ایک نماز بھی ترک کرتا ہے تو وہ کئی بار زیارت کرنے سے اس کا کفارہ ادا نہیں کر سکتا۔ بلکہ ترک صلوٰۃ تو زیارت کی قبولیت میں بھی مانع ہے۔ کیونکہ پیغمبر اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ حق سبحانہ‘ و تعالیٰ کے لئے غضب فرماتے ہیں اور انہیں ترک صلوٰۃ سے دکھ پہنچتا ہے۔ بالتحقیق حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھے آزردہ کیا اس نے خدا کو آزردہ کیا اور قریب ہے کہ اس کو عذاب الٰہی آن پکڑے۔

یہ کس طرح کسی شخص کو سجتا ہے کہ وہ آنے والے وقت میں زیارت برائے کرامت کا امیدوار ہو اور کام ایسا کرے جو آنحضورؐ کو آزردہ خاطر کرتا ہو۔ اسی لئے نماز میں کوتاہی سے بچنا چاہیے۔

اسی کتاب میں مذکور ہے کہ بعض علماء و مجتہدین یہاں تک چلے گئے کہ انہوں نے نماز کی تخفیف کرنے والے کے قتل کا فتویٰ دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے بلکہ اس کی لاش کو کتوں کے آگے ڈالا جائے۔ نماز کی عظمت اور شان تحریر و تقریر میں نہیں لائی جا سکتی۔

ملاحظہ کیجئے کہ زندگی میں پیش آنے والے تمام حالات میں کسی بھی حال میں نماز ساقط نہیں ہوتی۔ جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم ہیں تو جس صورت میں ہو وہ نماز پڑھے، کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، پہلو کے بل، سر کے اشارے سے اور وقت جنگ جب دشمن کا خوف ہو تو سواری پر بھی نماز پڑھے۔ اور اگر کسی بچے کی ولادت کے وقت اسکا سر باہر آچکا ہو اور نماز کا وقت آجائے تو دایہ کو چاہیئے کہ وہ تھوڑی سی زمین کھود کر اس میں بچے کا سر محفوظ کرلے اور پھر نماز ادا کرے تاآنکہ وہ ترکِ صلوٰۃ کے گناہ کی مرتکب نہ ہو۔ کیونکہ مصیبت اور مشکل نماز ترک کرنے کا جواز نہیں بنتی جیسے بھی ہو نماز پڑھنا چاہیئے۔

اسی طرح منقول ہے کہ نماز کو خوار کر کے پڑھنے والا یعنی مسجد میں جائے بغیر، وقت کا لحاظ رکھے بغیر اور وقار اور ترتیب کی پرواہ کیے بغیر نماز پڑھنے والا، اور فرض اور واجبات اور سنن اور مستحبات کو ملحوظ نہ رکھنے والا پندرہ عقوبتوں میں گرفتار ہوگا۔ جن میں سے چھ اسے اس دنیا میں، تین موت کے وقت، تین قبر میں اور تین میدانِ حشر میں پیش آئیں گی۔

دنیا میں ہی پیش آنے والی چھ عقوبتیں اس طرح ہیں:

۱۔ تارک نماز (صلوٰۃ) کے چہرے پر دینداری اور اسلام کا نور اور ماتھے پر محراب کا نشان نہ ہوگا۔

۲۔ اس کی عمر بے برکت ہوگی اور یا تو وہ جوانی میں مر جائیگا اور چونکہ زندگی بندگی کے لئے ہے اور اس کی بندگی مقبول نہیں لہٰذا اس کی عمر رائیگاں گئی۔

۳۔ اس کے مال میں برکت نہ ہوگی یا بالآخر وہ خوار مرے گا اور اس کا صدقہ خیرات بھی قابلِ قبول نہ ہوگا اور اس طرح اس کے مال سے بھی برکت اُٹھ جائے گی اور سب سے قیمتی مال نفع آخرت ہے جو وہ بھی اسے نصیب نہ ہوگا۔

۴۔ اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

۵۔ اس کے اقرباء کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

۶۔ ہر روز ستر (۷۰) بار اس کے رہائشی محلّہ پر لعنت اترتی ہے کہ کیوں انہوں نے اُسے تنبیہ نہ کی اور نہ اس کی اصلاح کی کوشش ہی کی۔

تین جو اسے موت کے وقت پیش آئیں گی:

۱۔ اس کی موت تنگی میں ہوگی اور سب سے بڑی تنگی پیاس ہے جو وقتِ نزع اس پر شدت سے طاری ہوگی۔

۲۔ جان دینا اس پر اتنا سخت ہوگا! گویا کہ ایک بہت بڑا پہاڑ اس کے سینے پر آگرا ہو۔

۳۔ اس کو وقتِ آخر کلمہ طیبہ پڑھنے کی توفیق نہ ہوگی۔

تین عقوبتیں جو قبر میں ہیں وہ اس طرح ہیں:

۱۔ کہ وہ جوابِ نکیرین درست طور پر نہ دے سکے گا۔

۲۔ قبر اس پر اس طرح تنگی کرے گی اور دباؤ ڈالے گی کہ اس کی ایک طرف کی ہڈیاں دوسری طرف نکل جائیں گی۔

۳۔ قیامت کے دن تک وہ قبر میں مختلف عذابوں میں گرفتار رہے گا۔

جو قیامت کے دن پیش آئیں گی وہ یہ ہیں:

۱۔ جونہی وہ قبر سے سر اٹھائے گا تو عذاب کے فرشتے آگ کے گرز لے کر اس کے سر پر کھڑے ہوں گے۔

۲۔ اور اسے بے رحمی سے مارتے ہوئے میدانِ حشر تک گھسیٹ کر لے جائیں گے۔

۳۔ وہ پُلِ صراط سے بسلامت نہ گذر سکے گا۔

جب ہر مرحلہ پر یہ حال ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ وہ دوزخ سے کیسے نکل پائے گا اس کے انجام کے بارہ میں کتنا بڑا ڈر ہے۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو ایسے عذابوں سے پناہ دے۔

اے اہل اسلام احتیاط! احتیاط! خصوصاً نماز کی شان میں جو اسلام کی بنائے اکبر ہے اور اسکے بارہ میں کتنا زیادہ اہتمام ہوا ہے کہ دن میں اس کی پانچ بار ادائیگی کا حکم ہوا ہے، جبکہ باقی بناہائے اسلام میں سے کوئی خاص ایام میں، کوئی سال میں ایک بار اور کسی کا عمر میں ایک بار اہتمام ہوتا ہے اور وہ بھی جس کو اللہ موقع اور توفیق نصیب فرمائے۔

تیسری حدیث: "زکوٰۃ"

'ما من رجل لا یوء دّي زکوٰۃ مالہ الاّ جعل اللہ یوم القیمۃ فی عنقہٖ شجاعاً'

ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے مال سے زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو اور قیامت کے دن خدا اس کی گردن میں سانپ نہ ڈالے۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اژدھا جو گنجا ہوگا اس پر سیاہ دھاریاں ہوں گی اور یہ ایسا ڈسنے والا بدخو اور خوفناک سانپ ہوگا جو انسان کے جبڑوں کو دونوں طرف سے پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں اور میں تیرا وہ خزانہ ہوں جس میں سے تونے زکوٰۃ ادا نہ کی اور وہ مال ہوں جو تونے اکٹھا کیا اور اُسے اپنے آپ سے جدا نہ کیا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ پہلے اپنا ہاتھ سانپ کے منہ میں ڈالے گا جس سے کنجوسی کی وجہ سے اس نے مال مستحق تک نہ پہنچایا اور اس کی انگلیوں اور ہاتھوں سے خیرات اور بخشش روک لینے کے اثرات ظاہر ہوں گے اور جانور جن کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہوگی، مثلاً گائے، بھیڑ، بکریاں، اونٹ وغیرہ اس مالدار کے سینے کو وسیع کر کے اس میں ڈالے جائیں گے، جن سے اس کا وجود سینگوں اور کھروں سے نیزوں اور خنجروں کی مانند چھید کر پامال کیا جائے گا اور باری باری ہر مال کا ریوڑ اس کے سینے سے گذارا جائے گا۔ یہ سلسلہ پامالی متواتر پچاس ہزار سال تک جاری رہے گا حتیٰ کہ حق تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر کے انہیں جنت یا دوزخ کی طرف روانہ کرے گا۔

اسی طرح اگر صاحبِ زر اپنے سونے کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس سونے کو پگھلا کر اور اس کا تختہ بنا کر اور اسے دوزخ کی آگ میں گرم کر کے اس سے اس کی پیشانی، پہلوؤں اور پُشت کو داغیں گے اور جونہی وہ منہ موڑے گا تو دوسرے رخ پر بھی اس سے یہی سلوک کیا جائے گا اور اس سونے کو بار بار بھٹی میں داغ دینے کے لئے ڈالا اور نکالا جائے گا جیسے لوہار لوہے کو گرم کرتے ہیں۔ وہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور یہ تین عقوبتیں اس لئے اسے پیش آئیں گی کہ دنیا میں جب مستحق بھکاری اسے نظر آتے تھے تو وہ ماتھے پر تیور چڑھا لیتا تھا اور ان سے منہ موڑ کر ان کی طرف پیٹھ پھیر لیتا تھا جیسے کنجوسوں کا شیوہ ہے کہ جب وہ

فقیر اور سائل کو دیکھتے ہیں خواہ وہ فرض زکوٰۃ کے لئے ہی سوال کر رہا ہو یا واجبی صدقہ کے لئے تو وہ منہ چڑھا کر ماتھے پر بل ڈال کر دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں اور اگر اس پر بھی محتاج شخص نہ ٹلے تو وہ اس سے پہلو بچا کر منہ موڑ لیتے ہیں تاکہ اس سے جان چھڑا لیں اور اس پر بھی وہ نہ ہٹے تو اس کی طرف پیٹھ کر کے مانگنے والوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ افسوس کیسی جہالت اور بے انصافی ہے کہ مال تو خود خدا نے اپنے خزانے سے عنائت فرمایا اور جب اس نے اس میں سے تھوڑا سا حصہ مانگا تو اس کا یہ ردِ عمل ہوا باوجودیکہ اس کے بدلہ میں دنیا و آخرت کے فوائد کی خدا نے ضمانت بھی دی اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر دولت میں اضافہ اور مال میں استحکام اور آخرت میں سرخروئی کا وعدہ بھی کیا جو اسکی سخاوتِ مزید کا مظہر ہے۔

آنحضورؐ نے فرمایا ہے کہ اپنے اموال کو اُن پر زکوٰۃ ادا کر کے اور اُن سے بیماروں کا علاج کر کے تحفظ دو، اپنی جانوں کو صدقہ دے کر مصیبتوں کے لشکر سے، دعا اور آہ و زاری کے ذریعے بچا لو، پس زکوٰۃ ادا کرنا مال میں اضافے اور اس کی حفاظت کی ضمانت ہے اور اسے روکنا ہلاکت اور نقصان کا باعث بنتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ زکوٰۃ اور صدقہ کا مال اگر کسی دوسرے مال میں شامل کر دیا جائے تو وہ اس مال کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

اس عبارت کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جس نے زکوٰۃ نہ دے کر اپنے مال کو آلودہ رکھا دوسرے یہ کہ صاحبِ نصاب ہوتے ہوئے بلا استحقاق زکوٰۃ لے کر اپنے مال میں ملا دی تو ان ہر دو صورتوں میں یہ ملاوٹ ہلاکتِ مال کا باعث بنے گی۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ مال نہ زمین میں نہ سمندر میں تلف ہوتا ہے تاوقتیکہ اس سے زکوٰۃ نہ روکی گئی ہو۔

روایت ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں زکوٰۃ کا مال رکھے رہے اور فقراء و مساکین تک اسے نہ پہنچائے تو جہاں بھی کوئی شخص فاقہ سے مرے گا تو وہ اس کے قتل میں شریکِ جرم ہوگا۔

احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے موسیٰ بلاشک وشبہہ نماز اور زکوٰۃ تیرے لئے امان کا باعث ہیں اور یہ آپس میں جڑواں بھائی ہیں اور اگر تونے ایک کو اپنایا اور دوسرے کو پس پشت ڈالا تو تجھے قبولیت نہ بخشوں گا"۔

قرآنِ مجید میں بیشتر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا یکجا ذکر آیا ہے، مثلاً 'اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوُا الزکوٰۃ' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک کے بغیر دوسری قبول نہیں۔ تارکِ زکوٰۃ، تارکِ صلوٰۃ ہے، اسی طرح تارکِ صلوٰۃ، تارکِ زکوٰۃ ہے۔ اس لئے ہر وہ عذاب اور گرفت جو تارکِ صلوٰۃ کا مقدر ہے وہی تارکِ زکوٰۃ کا بھی مقدر ہوگا۔

فقراء کو جھڑکنے والوں کے لئے بڑے سخت عذاب کی وعید ہے اور اگر اس گناہ سے توبہ نہ کی گئی تو ہزار سال دوزخ میں گذارنے پڑیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فقیر اور سائل کو مت جھڑکو خواہ وہ کافر ہو۔ اور قرآنِ حکیم کا حکم مطلق ہے 'واما سائل فلا تنهر' اور یہ حکم کافروں مومنوں اور فاجروں سب کے لئے یکساں مفید ہے اور بعض روائتوں میں جو یہ بات آئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بدعتی اور بے دین کو ایک نوالہ کھلائے گا تو ایسے شخص کو دوزخ کی آگ سے ستر (۷۰) نوالے کھلائے جائیں گے اس کی تاویل یہ ہے کہ اگر وہ (نوالہ) بدعت اور بے دینی سے رغبت کی وجہ سے دیا جائے تو یہ سزا ہے کیونکہ وہ سائل کی بداعمالیوں سے خوش ہو کر دیا گیا یا اس کی غیبت اور بدگوئی سے بچنے کے لئے نہ کہ اس کے عنداللہ سوال پر۔ اس شخص کا کوئی چھٹکارا نہیں جس نے سائل کے سوال کو رد کیا۔ ان مسائل پر حجۃ الاسلام کی تصنیفات میں تفصیل سے بحث ہوئی ہے۔

چوتھی حدیث: 'الصوم'

"الصّوم لي و انا اجزي به"

روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا [جتنا کہ میں چاہوں گا۔ اور جیسا کہ میں چاہوں گا اور یہ بے حساب اور بے شمار ہوگا]۔

اگرچہ ساری عبادتیں اور سب کچھ اسی کا ہے تاہم خدا تعالیٰ نے روزے کو بالخصوص یہ شرف عطا فرمایا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسان کی ذات تک ہی مخفی رہتا ہے اور یہ نمائش اور ریاء سے پاک ہے بمقابلہ دوسری عبادات کے جیسے نماز جو قیام، رکوع اور سجود سے ظاہر ہو جاتی ہے اور زکوٰۃ جو کسی کو دی جا کر پوشیدہ نہیں رہتی اور حج سفر پر چل نکلنے اور واپس آنے سے واضح ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ دوسرے اعمال میں زیادہ تر نمائش کا احتمال ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس روزہ کا معاملہ خالص انسان کی اپنی ذات سے ہے۔ اسی لئے سوائے فرضی روزے کی صورت میں روزہ دار کو یہ کہنے سے کہ "میں روزہ دار ہوں" منع کیا گیا ہے، مگر فرضی روزہ میں ایسا کہنے سے کوئی لذتِ نفسی مقصود نہیں ہوتی۔ یہ حدیث قدسی ہے جو آنحضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے نقل فرمائی ہے۔

اگرچہ روزہ کے فضائل میں اور بہت سی حدیثیں اور روائتیں موجود ہیں تاہم تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ حدیث ہر لحاظ سے روزے کی فضیلت کو ثابت کرتی ہے کیونکہ یہ کلام خداوندی سے اس کی فضیلت کو ثابت کرتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے روزے کو اپنے آپ سے منسوب کیا ہے یہ فرما کر کہ یہ خاص میری چیز ہے

اور اس کے لئے جزاء دینا مجھ پر فرض ہے۔ یہ وعدہ کر کے کہ میں جزاء دوں گا جزاء کو مبہم بھی رکھا اور یہ انداز اس کی عنائتِ بے شمار و بے اندازہ پر دلالت کرتا ہے۔

"صوم" لغت میں منع کو کہتے ہیں اور شریعت میں نفس کو ان چیزوں سے منع کرنے کو کہتے ہیں جن سے روزہ ٹوٹتا ہے اور ان کی دو اقسام ہیں اصل روزہ توڑنے والی چیزیں مثلاً کھانا، پینا، ہمبستری کرنا اور دوسری قسم میں کمالِ روزہ کو نقصان پہنچانے والی چیزیں مثلاً جملہ قبیح افعال اور قابلِ نفرت کام جو انسان کے ظاہری اور باطنی اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ روزہ توڑنے کا سبب بنتے ہیں، جیسا کہ مفاتیح الجنان میں روایت ہے کہ روزہ دار کے لئے یہ سنت ہے کہ وہ اپنی زبان کو ہرزہ سرائی، جھوٹ، غیبت، نکتہ چینی، فحش کلامی اور بدگوئی اور لڑائی جھگڑے سے بچا کر رکھے اور خاموشی سے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت قرآن میں اپنے آپ کو مشغول کئے رہے۔ اور اسی طرح ہاتھ پاؤں کو حرام کا مرتکب نہ ہونے دے اور نہ حرام کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھے کیونکہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ نظرِ تیز میں شیطنت کی آمیزش ہوتی ہے اور نہ کفر اور غیبت کی باتوں پر بھی کان دھرے۔ کیونکہ فرمانِ پیغمبرؐ کی رُو سے سننے والا بھی بولنے والے کا شریک عمل ہوتا ہے اور جس چیز کا بولنا حرام ہے اس پر کان دھرنا اور اُسے سننا بھی حرام ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنے نفس کو حرام اور مشتبہ کھانے سے بچا کر رکھے کیونکہ اعمال کا بیج طعام ہے جیسا کوئی کھانا کھائے گا ویسے ہی اس کے اعمال ہوں گے۔ اسی طرح دل کو حسد، عداوت، کینہ اور بدگمانی سے بچا کر رکھے کیونکہ یہ ساری چیزیں روزے کے کمال کو اپنے اپنے طریقہ سے نقصان پہنچاتی ہیں۔ اس لئے اپنے آپ کو پوری احتیاط کے ساتھ ان ساری کی ساری ناشائستگیوں سے بچانا چاہیے تاکہ روزے کا وہ ثواب حاصل ہو سکے جس کا وعدہ روزہ داروں سے کیا گیا ہے ورنہ صرف نام کے روزہ اور بھوک پیاس کی مشقت کا کیا فائدہ؟

روایت ہے کہ آنحضورؐ کے زمانہ میں دو عورتوں کا روزہ تھا، پیاس نے اُن پر غلبہ پایا اور وہ قریبِ مرگ ہو گئیں۔ ایک شخص کو آنحضورؐ کی خدمت میں بھیجا گیا کہ اگر حکم ہو تو روزہ توڑ دیں۔ آنحضورؐ نے ایک پیالہ بھیجا کہ وہ اس میں قے کریں۔ جب اُنہوں نے ایسا کیا تو آدھا گوشت اور آدھا خون نکلا۔ وہ لوگ حیران ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے آپ کو حلال کے کھانے پینے سے تو باز رکھا لیکن وہ چیز کھائی جسے اللہ نے حرام قرار دیا تھا یہ دونوں آپس میں بیٹھ کر لوگوں کی غیبت کرتی تھیں اور اس طرح ان کا گوشت کھاتی تھیں اور آیت کریمہ " ولا يغتب بعضكم بعضاً ايحب احد كم ان يا كل لحمه اخيه ميتاً" اسی صورتِ حال کا تذکرہ کرتی ہے۔

مفاتیح الجنان میں ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ دار سے اُلجھے تو روزہ دار کو جواب میں اُسے سلام کہنا چاہیے اور اسے بتائے کہ میرا تو روزہ ہے تاکہ فریقِ مخالف، مخالفت سے رُک جائے اور اس سے مراد

اس کی یہ ہو کہ میں روزہ دار ہوں لہٰذا میرے لئے تجھ سے الجھنا یا مقابلہ کرنا مناسب نہیں اور تیرے لئے بھی لازم ہے کہ میرا پیچھا چھوڑ دے اور مجھ سے کوئی جھگڑا نہ کرے۔

بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ وہ سرے سے جواب ہی نہ دے اور اپنے آپ کو کسی حیلہ بہانے اس کے غصے اور سختی سے بچالے۔ اسی لئے دل کو منوّر کرنے کے ساتھ ساتھ روزہ کے اُخروی فوائد کا تو حساب ہی نہیں۔ بعض آئمہ دین نے فرمایا ہے کہ ایسا روزہ دار ہی تو آیت صابرون کا مصداق ہے، "انما یوفیٰ الصابرون اجرهم بغیر حساب"، جن کے اجر کا کوئی حساب نہیں اور نہ اس کا کوئی شمار اور وزن ہے۔

روزہ کے باطنی اور اُخروی فوائد کے ساتھ ساتھ دنیاوی اور مادی فوائد بھی بے شمار ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ روزہ جسم کی زکوۃ ہے جو اس سے غرور و شہوت کو کم کر کے اس میں توازن لاتا ہے۔ دل اور عقل کو نور عطا کرتا ہے، بینائی کو بڑھاتا ہے اور بدن کو صحت دیتا ہے۔

محمد ابن یمامؒ جو اپنے زمانے کی جلیل القدر شخصیت تھے اور ہمیشہ روزے سے رہتے تھے فرماتے تھے کہ میں نے دائمی روزہ اس لئے اختیار کیا کہ میں نے چند مختلف طبقہ کے لوگوں سے، ان سے متعلق، اس مسئلہ کے بارہ میں پوچھا تو ہر ایک نے ایک ہی جواب دیا:

۱۔ میں نے عبادت گذاروں سے پوچھا کہ کونسی عبادت زیادہ مزہ دیتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جسے کم کھا کر اور ذرا بھوکا رہ کر ادا کیا جائے۔ ۲۔ حکماء سے پوچھا کہ حکمت کی رُو سے کون سی چیز ان کے لئے زیادہ معاون ثابت ہوتی ہے تو انہوں نے بھی کہا بھوکا رہنا اور کم کھانا۔ ۳۔ میں نے زاہدوں سے پوچھا کہ کون سی چیز ہے جو زہد کی طاقت عطا کرتی ہے تو انہوں نے کہا بھوکا رہنا اور کم کھانا۔ ۴۔ میں نے علماء سے سوال کیا کہ علم کو محفوظ کرنے کے لئے کون سی چیز افضل ہے تو انہوں نے کہا بھوکا رہنا اور کم کھانا۔ ۵۔ میں نے امراء سے سوال کیا کہ بہترین روٹی سالن اور پسندیدہ کھانا کیا ہے تو انہوں نے کہا بھوک اور کم کھانا۔ "الخلاصہ" میں بھی یہی مضمون دہرایا گیا۔

پانچویں حدیث: 'الحج'

"یا ا یہاالناس فرض علیکم ا لحج فحجوا"

اے لوگو! بالتحقیق تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس حج کرو!

لغت کے رُو سے حج قصد کو کہتے ہیں مگر اب اس کے معنی وہ سفر ہے جو سوئے بیت الحرام اس کی زیارت کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور جس کے دوران مخصوص اعمال مثلاً احرام، طواف، اور وقوفِ عرفات وغیرہ شامل ہیں۔ ان اعمال میں کچھ فرض ہیں، کچھ سنت اور کچھ مستحب۔

حج کا فریضہ جلدی ادا کرنا از روئے اجماع ثابت ہے اور اس کے لئے چند شرائط ہیں:

۱۔ اسلام

حج کے فرض ہونے کا علم، لیکن جو شخص دارالحرب میں ایمان لائے اور وہیں مقیم رہے یا وہاں سے دارالاسلام میں آجائے تو ایک عادل مسلمان اگر اُسے فرضیت حج سے آگاہ کرے تو اس کے علم کے لئے یہ شہادت کافی ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص دارالاسلام میں ہی پیدا ہوا ہو تو اس کے لئے ایسی شہادت بھی ضروری نہیں۔

۲۔ بلوغت

۳۔ عقل

۴۔ آزادی

۵۔ استطاعت

۶۔ سفر کے دوران امن

اور اگر عورت ہے تو اس کے ساتھ اس کے شوہر یا محرم کا ہمراہی ہونا شرط ہے۔

کافر پر یا ایسے شخص پر جو دارالحرب میں مسلمان ہوا اور اُسے حج کی فرضیت کا علم نہیں تو اس پر حج فرض نہیں۔ نہ حج فرض ہے بچے پر نہ دیوانے پر نہ غلام پر اور نہ ایسے شخص پر جس کو استطاعت نہیں یا ایسے لوگوں پر جن کے سفر کے راستے پر امن نہیں اور نہ ایسی عورت پر جس کا شوہر یا محرم اس کے ساتھ نہیں۔

استطاعت: امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق سفر کے لئے زادِ راہ اور سواری اور اہل وعیال کا نان نفقہ جس میں ان کا لباس اور مکان بھی شامل ہیں جو انہیں حاجی کے حج پر جانے سے لے کر واپس آنے تک کافی ہو خواہ اس کے بعد ان کے پاس کچھ نہ رہے۔

بعض کا خیال ہے کہ ایک دن کا کھانا اور دوسرے قول کے مطابق ایک ماہ تک کا کھانا موجود ہونا لازمی ہے۔ پہلا قول امام اعظمؒ اور دوسرا امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا گیا ہے۔

اگر کسی شخص کی حویلی اس کے مسکن کے علاوہ ہو یا غلام جو اس کی خدمت کیلئے ضروری نہ ہو یا کتابیں سوائے کتب فقہ کے جو فقیہہ کی ضرورت کی ہوں یا باغ یا دکان اور زمین اور کپڑے جو ضرورت سے زیادہ ہوں اور انکے بیچ دینے سے استطاعت حاصل ہوتی ہو تو پھر واجب ہے کہ وہ انہیں بیچ کر حج پر چلا جائے۔

اور اگر کوئی شخص اُپنے کسب، میراث، ہبہ اور صدقہ کے ذریعے حج کے مہینوں میں جن سے مراد شوال، ذیقعد اور ذوالحجہ کے دس روز ہیں اس ملک (حجاز) میں یہ استطاعت حاصل کرلے تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے کیونکہ اس ملک میں لوگ معمولاً ان مہینوں میں حج کو نکلتے ہیں اور اسی طرح شام، مصر،

بغداد، بصرہ اور یمن کے لوگوں کا بھی انہی مہینوں میں حج پر روانہ ہونا معمول ہے۔

اگر کوئی شخص حج کے مہینوں کے علاوہ ایسے علاقہ میں یہ استطاعت حاصل کر لے جہاں کے لوگ مسافت کی دوری کی وجہ سے متذکرہ مہینوں سے پہلے حج کے لئے نکلتے ہوں، جیسے ایران، توران، پشاور تو ایسے شخص پر حج کے لئے اُسی وقت چل پڑنا واجب ہو جاتا ہے کیونکہ ان علاقوں میں سفر حج کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ ہندوستان کے لوگ جہازرانی کے موسم میں حج کا سفر اختیار کرتے ہیں نہ کہ حج کے مہینوں میں۔ واجب ہے کہ بندہ حج پر استطاعت حاصل ہوتے ہی چل پڑے اور حج کے لئے مخصوص کی گئی رقم میں سے کسی اور چیز مثلاً نفلی صدقہ، زمینداری، غلام اور کنیزیں اور گھوڑے خریدنے پر خرچ نہ کرے، ماسوائے ان چیزوں کے جو کرایہ، سواری اور نفقہ کے لئے ضروری ہوں اور اگر کسی نے ایسا کر دیا اور حج نہ کر سکا تو حج اس پر فرض رہا اور وہ اس کی ادائیگی سے فارغ نہ ہو پایا۔ اس سلسلے میں بحرالرایق اور لباب المناسک سے رجوع کیا جائے۔

آنحضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے حج کی نیت کر لی تو اُسے دیر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مریض ہو جائے یا اس کے وسائل میں کمی آجائے یا کوئی اور ضرورتیں اُسے پیش آجائیں۔ اس لئے لازم ہے کہ جو چیز فرض ہے اِسے فوراً ادا کیا جائے اور آپ کا ہی فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص زادِراہ اور سفر کے وسائل رکھتے ہوئے بیت اللہ کو روانہ نہیں ہوتا اور حج نہیں کرتا تو اس میں اور ایسے شخص میں کوئی فرق نہیں جو کفر پر یا دینِ یہود و نصاریٰ پر مر گیا ہو۔

؎ کہ در تاخیر آفتہاست طالب را زیاں دارد

دیر کرنے میں آفتیں ہیں جس سے متلاشی کو نقصان پہنچتا ہے۔

راستے کا امن و امان اس بات سے مشروط ہے کہ خشکی اور سمندر کے راستے میں سفر کرنے میں اکثر سلامتی ہو۔ فقیہ ابولیث، بحرالرائق و رمزالحقائق میں یہ موقف اپناتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بات پر اعتماد کیا جاتا ہے کہ اللہ کے فضل سے جس راستے سے بھی حاجی گئے ہیں وہ خیریت سے پہنچے ہیں اور بسلامت واپس آئے ہیں خاص کر ہند اور سندھ کے راستے جن پر ساحل سمندر تک کوئی خطرہ نہیں اور سمندری سواریاں تو اکثر سلامت رہتی ہیں۔ خیر خواہ اسلام کاتب حروف یعنی میں نے اُس وطن کے بااختیار لوگوں سے کئی بار اس ضمن میں استفسار کیا تو سب نے یہ کہا کہ اکثر و اغلب سفر میں سلامتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک جہاز کے مالک کے ایک اہلکار نے مجھے بتایا کہ سمندر کے راستے عربستان جانے کا اس کا پندرھواں چکر ہے۔ جو آنے جانے کے انتیس (۲۹) پھیرے بنتے ہیں اور یہ تمام اللہ کے فضل سے خیر و عافیت میں گذرے ہیں۔ اس نے آہ بھر کر کہا کہ اگرچہ دوسرے راستے اور بندرگاہیں بھی بہت اچھی ہیں لیکن کیا کہنے

'سورت' کی بندرگاہ کے وہ کیسی خوبصورت ہے۔ سب سے پُر امن، قریب تر اور خوشگوار اور اس کے راستہ دیار حبیبؐ تک سفر پُر مسرت رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بیت اللہ جانے اور اپنے حبیبؐ کے حرم کی زیارت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

بعض آئمہ نے، جن میں ابو بکر اسکافؒ اور ابو بکر رازیؒ شامل ہیں، جو یہ فتویٰ دیا ہے کہ حج کا فریضہ ساقط ہو گیا ہے تو وہ ان کے اپنے زمانے سے متعلق تھا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اُن کے زمانے میں خارجیوں کے ایک گروہ 'قرامطہ' نے شورش بپا کی ہوئی تھی اور وہ شہروں اور شاہراہوں پر ڈاکے ڈالتے تھے اور مسلمانوں کے قتل کو حلال سمجھتے تھے۔ انہوں نے حاجیوں کے راستے میں گھاتیں لگائی ہوئی تھیں اور جہاں ان کو حاجی ملتے ان کا مال و متاع لوٹ کر ان کو قتل کر دیتے۔ الحمدللہ کہ یہ فسادی فرقہ اب نیست و نابود ہو گیا ہے۔

حج کے ثواب کی تو کوئی انتہا نہیں کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ شیطان ہرگز اتنا غمگین کبھی نہیں ہوتا، خدا سے اتنا دور کبھی نہیں ہوتا اتنا مجبور اور خوفزدہ کبھی نہیں ہوتا اس کی آنکھیں کبھی اس قدر چُندھیائی ہوئی نہیں ہوتی ہیں جیسا کہ روزِ عرفہ یہ اس لئے کہ وہ دیکھتا ہے کہ آج کے دن بنی آدم پر اللہ کی رحمتیں اتنی بھرپور ہیں جو کسی اور زمانہ میں، ماسوائے روزِ بدر کے جو مسلمانوں کی فتح و نصرت اور اسلام کی عزت و شوکت کا دن تھا، نازل نہیں ہوتیں۔ مفاتیح الجنان میں آیا ہے کہ ایک حج اللہ کی راہ میں بیس (۲۰) غزوات سے افضل ہے۔

بعض گناہوں کا روزِ عرفہ میں وقوفِ عرفات کے علاوہ کوئی کفارہ نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ کیا کوئی اتنا بڑا گناہگار بھی ہے جو یہ خیال کرے کہ اس کا کوئی ایسا گناہ بھی ہے جسے عرفات میں روزِ عرفہ اللہ نے بخشا نہ ہو۔

فضائلِ حج صرف حج کے فرائض واجبات سنتوں اور مستحبات تک محدود نہیں بلکہ اس کی وجہ سے مزید فضائل جیسے عمرہ، زیارت سید المرسلینؐ اور ان کے آلؑ اور اصحابؓ کی زیارتیں اور معجزوں کے ظہور کے مقامات اور انبیاءؑ کے ٹھکانوں کی زیارتیں جو دعاؤں کی قبولیت کا مقام ہیں اور ان ہستیوں کی عبادت گذاری کے مقامات کی زیارتیں اور بار بار طواف کی سعادت اور بیت اللہ کی کئی بار زیارت کی خوش نصیبی جس کو ہر بار دیکھنا بیس (۲۰) سال کی عبادت کے برابر ہے جیسے بابرکت مواقع بھی ملتے ہیں۔ جیسا کہ المواھب میں ہے امام المسلمین امام ابو حنیفہؒ اس وقت تک دوسری عبادتوں کو حج پر افضل قرار دیتے رہے جب تک انہوں نے خود حج نہ کیا تھا اور نہ مذکورہ بالا مقدس مقامات ہی دیکھے تھے جن کے فوائد بے حد و بے حساب ہیں اور اسی وجہ سے وہ حج کی فضیلت کے قائل ہو گئے۔

باب سوم

توبہ و استغفار

اس باب میں توبہ و استغفار سے متعلق پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : 31

"التائب من الذنب کمن لا ذنب له"

دوسری حدیث : 32

"ان اللّٰہ یحب المومن المفتن التواب"

تیسری حدیث : 32

"اللھم اجعلنی من الذین اذآ احسنو استبشرو و اذا سآ واستغفروا"

چوتھی حدیث : 33

"طوبیٰ لمن وجد فی صحیفة استغفاراً کثیراً"

پانچویں حدیث : 34

"انه لیغان علی قلبي و انی لا ستغفراللّٰہ في یومٍ مائة مرة"۔

اس باب میں بھی پانچ احادیث ہیں۔

پہلی حدیث : توبہ ۔۔ "ألتائب من الذنب كمن لا ذنب له"

"گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں"

اور ایسے لوگ صرف انبیاء اور اتقیاء کامل ہیں، اس طرح توبہ کے دروازہ کے ذریعہ ناقص کا کامل سے ملاپ ہو جاتا ہے یا ایسے کہ اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور اس تک اس کے گناہ کا کوئی نقصان پہنچ بھی نہ پایا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے اور اس کے کوئی ایسے اثرات باقی نہیں رہتے جو کسی ضیاع اور نقصان کا باعث بنیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ توبہ سے مراد توبۃ النصوح ہے جس کی تین نشانیاں ہیں :

اول : تائب گذرے گناہوں پر پشیمان و نادم ہو۔

دوم : آئندہ کے لئے اس کے دل میں گناہ کے لئے کوئی کشش اور رغبت نہ رہے۔

سوم : یہ کہ وہ گذشتہ گناہوں کا کفارہ اور ہرجانہ ادا کرنے میں مشغول رہے۔

جوں ہی اس میں یہ خوبیاں پیدا ہوں گی تو وہ اس آیۃ کریمہ کا مصداق بنے گا اور اس کی توبہ قبول ہو گی۔ "وتوبوا الی اللّٰہ توبۃ نصوحا"۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کے مکروں میں سے ایک مکر یہ بھی ہے کہ وہ انسان کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ جب تجھے گناہ سے باز نہیں رہنا تو کیوں توبہ کرتا ہے بے فائدہ توبہ کرنے سے کیا حاصل ہو گا۔ چاہیے کہ شیطان کے ان وسوسوں سے منہ موڑ کر انسان اللہ کی رحمت پر تکیہ کرے اور توبہ کرنے میں جلدی کرے تاکہ اُس کے گذشتہ گناہ بخشے جائیں۔ حتیٰ کہ اس کے دل سے گناہ کا تصور ہی محو ہو جائے یا خدا اس کو گناہ کی توفیق ہی نہ دے۔

اللہ جلّ شانہ' کے کرم کی امید رکھنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ اس کے گناہ محو ہو جائیں اور آئندہ اسے گناہ کی خواہش ہی پیدا نہ ہو۔ اللہ جواد و کریم ہے۔ انہوں (امام غزالیؒ) نے فرمایا ہے کہ آہستگی اور سوچ بچار تمام مسائل میں اچھی اور قابلِ تعریف روش ہے مگر پانچ مقامات پر عجلت سے کام لینا سنت ہے :

۱۔ توبہ کرنا، ۲۔ قرض ادا کرنا، ۳۔ میت کو دفن کرنا، ۴۔ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کا اس کے کفو میں نکاح کرنا، ۵۔ میزبانی اور مہمانوں کی خدمت۔

لہذا چاہیے کہ توبہ میں دیر نہ ہو اور جتنا جلدی ہو اتنا ہی بہتر ہے تاکہ انبیاء و اولیاء کی پیروی ہو سکے وہی کہتے ہیں کہ موت کا وقت اور زمانہ خُدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور نا معلوم چیز کا سہارا لینا حماقت اور جہالت ہے۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

دوسری حدیث :

" ان اللّٰہ یحب المومن المفتن التواب"

"برحق ہے یہ بات کہ خدا تعالیٰ ایسے بندہ کو پسند کرتا ہے جو مبتلائے گناہ ہو کر توبہ کرتا ہے" اور اللہ کی رحمت اور مغفرت کی طرف لوٹتا ہے۔ اللہ اسے اس توبہ کی وجہ سے پسند کرتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے نہ کہ اس کے گناہ کی وجہ سے

اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ شخص بہتر ہے جس نے پاکیزگی اور نیکوکاری سے زندگی کا آغاز کیا اور اسی میں پلا بڑھا یا وہ شخص جو گناہ میں مبتلا ہوا اس نے توبہ کی اور اس کے بعد پاکیزگی اختیار کی۔ زیادہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس کی ابتداء ہی پاکیزگی سے ہوئی وہ بہتر ہے اور امام محمد غزالیؒ اسی قول کے حامی ہیں۔ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ توبہ کرنے والا اِس لئے افضل ہے کہ اس نے گناہ اور شہوت کی لذت چکھ کر اپنے آپ کو آئندہ اس سے باز رکھا، چونکہ اس کے لئے اسے زیادہ محنت کرنا پڑی لہٰذا اس کا اجر بھی زیادہ ہو گا۔

منہاج العابدین میں آیا ہے کہ آنحضورؐ فرماتے ہیں 'تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس نے گناہ تو بہت کئے لیکن توبہ بھی بہت کی اور اللہ کی طرف پشیمانی اور ندامت کے ساتھ استغفار کرتے ہوئے لوٹا اور اللہ کے اس فرمان پر انحصار کیا" ومن یعمل سوءً او یظلم نفسہ یستغفر اللّٰہ یجد اللّٰہ غفوراً رحیما"جو کوئی گناہ کرتا ہے یا اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے تو وہ خدا کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا۔

یعنی اللہ اس کی بخشش فرماتا ہے اس لئے انسان کو توبہ کرنے میں تھکاوٹ اور ہچکچاہٹ نہ ہونا چاہئیے باوجود اس کے کہ اس کے گناہوں کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچے۔

تیسری حدیث :

"اللھم اجعلنی من الذین اذآ احسنو استبشرو و اذا سآ واستغفروا"

"خدایا مجھے ان لوگوں میں سے کر جو نیکی کر کے خوش و خرم ہوتے ہیں[کہ اللہ نے انہیں اس کی توفیق عطا فرمائی اور انہیں اللہ کی رضا حاصل ہوئی اور انہوں نے خدا کے فضل و رحمت کا مشاہدہ کیا] اور جب ان سے کوئی بدی سرزد ہو تو وہ توبہ کرتے ہیں اور اپنے گناہ پر نادم ہوتے ہیں"

ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی شناخت یہ ہے کہ وہ گناہ کو اتنا بھاری سمجھے کہ گویا ایک پہاڑ اس کے سر پر لٹک رہا ہے جو اس پر گرا چاہتا ہے اور منافق کی نشانی یہ ہے کہ وہ گناہ کو اتنا ہلکا پھلکا سمجھتا ہے

که گویا مکھی اس کی ناک پر سے گذر گئی یعنی اسے گناہ سے کوئی خوف اور اس کے نتائج سے کبھی ڈر نہیں آتا۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ہمارے دلوں کی موت کا ثبوت یہ ہے کہ ہمیں گناہ سے کوئی دکھ نہیں ہوتا اور اطاعتِ خداوندی سے کوئی خوشی اور مسرت حاصل نہیں ہوتی۔

چوتھی حدیث:

"طوبیٰ لمن وجد فی صحیفة استغفاراً کثیراً"

"اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس کے نامہ اعمال میں کثرت سے استغفار کا اندراج ہے"

مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اہل استغفار کے لئے خوشخبری ہے اس میں ان کی تعریف کی گئی اور یہ استغفار پڑھنے والوں کی حوصلہ افزائی کا باعث بنتی ہے۔ استغفار کا حکم قرآنِ مجید میں بہت سے مقامات پر آیا ہے۔"والمستغفرین بالا سحار و استغفرو ربکم انه کان غفاراً و استغفروالله ان الله غفور رحیم" اکثر حالات میں اس کے صلہ میں انعام، رحمت، فضل، بخشش، اور تحفظ کا اچھا وعدہ کیا گیا جس کی خلاف ورزی نہیں، بشرطیکہ توبہ میں خلوصِ نیت شامل ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے کہ نزولِ عذاب سے امن کا سبب دنیا میں دو چیزیں تھیں ایک ذاتِ رسولؐ اور دوسری استغفار۔ جیسا کہ قرآن اس کا گواہ ہے "و ما کان الله لیعذبهم و انت فیهم و ما کان الله مغذ بهم و هم یستغفرون": "یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر عذاب کرے در حالیکہ تو ان میں موجود ہو اور خدا عذاب نازل کرنے والا نہیں ان لوگوں پر جو استغفار کرتے ہیں"۔ ایک تو چلے گئے اور وہ آنحضورؐ تھے جو دار البقاء کو رحلت فرما گئے اور دوسری چیز استغفار ہے جو باقی ہے۔ پس استغفار کو اپنے اوپر لازم قرار دیجئے تاکہ یہ عذاب کے نزول اور اس کی شدت میں رکاوٹ کا وسیلہ بنے اور اس سے انجام کار مطلوبہ مقاصد حاصل ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب حضورؐ ہم لوگوں [صحابہؓ] کی مجلس میں آکر تشریف فرما ہوتے تو آپؐ سوبار "استغفرللہ لذنبی سبحان الله و بحمدربی" فرماتے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص استغفار کو اپنے اوپر لازم کرلے یعنی اسے دائمی وظیفہ کے طور پر اپنالے تو خدا اسے ہر تنگی سے نکال باہر کرتا ہے اور غم سے اس کو نجات دیتا ہے اس پر روزی کی کشائش فرماتا ہے اور اسے وہاں سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے نہ اسے کوئی گمان تھا اور نہ امید۔ ہر گناہ کے لئے استغفار تریاق کا کام دیتی ہے کیونکہ استغفار کرنے والا متقی کے زمرہ میں آتا ہے اور متقی اتنا کامیاب ہے جس کا کوئی حساب نہیں۔ حضرت شیخ الشیوخؒ نے فرمایا کہ صبح کی سنتیں ادا کرنے کے بعد استغفار اور تسبیح جتنی میسر آئے پڑھنی چاہیے اور اگر اس جملہ کے ساتھ پڑھی جائے جو بڑا واضح ہے" استغفر الله لذنبی سبحان الله و بحمد ربی" تو تسبیح اور استغفار کے بیان

میں کافی ہے اور اس کو مکمل کرتا ہے۔

ایک بزرگ جو صاحبِ دعوت تھے فرماتے تھے کہ کوئی دعا اس سے زیادہ کارگر نہیں اور اس سے زیادہ مقصد تک پہنچانے والی نہیں جتنا کہ استغفار۔

"اللهم اجعلنامن التوابین و المستغفرین بفضلك" "اے اللہ ہمیں اپنے فضل سے توبہ و استغفار کرنے والوں میں بنا"

پانچویں حدیث:

"انه لیغان علی قلبي و انی لا ستغفرالله في یوم مائة مرة"

"جب بھی میرے دل پہ پردہ پڑے تو میں ہر صورت میں استغفار کروں خواہ یہ دن میں سوبار ہو"

الصراح کی رو سے "غین" بادل اور تاریکی کو کہتے ہیں اس حدیث کے معنی کے بارہ میں مشائخ و علماء کے اتنے اقوال ہیں کہ یہ رسالہ ان سب کے بیان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

میرے اطمینان کے قریب اس حدیث کی توجیہہ یہ ہے کہ جب آنحضورؐ باری تعالیٰ کی سمت رفعتیں عبور فرما رہے تھے تو ہر آنیوالا رتبہ گذشتہ سے اعلیٰ تھا اور گذشتہ مراتب اس کے مقابلے میں ذنب کی حیثیت رکھتے تھے اور امت کو اس میں سچائی کی طرف ہدایت اور دشمنوں سے جنگ کا اہتمام کرنا اور آلؑ و ازواجؓ کے تحفظ کی طرف دھیان دینا جو عین عبادت ہے آپؐ کو انوار الٰہی کے مقابلہ میں گناہ، غبار اور اندھیرا دکھائی دیتے تھے اور اس لئے آپؐ استغفار فرمایا کرتے تھے جیسا کہ کہا گیا ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" "نیکوں کی نیکیاں، مقربین کے لئے گناہ کا درجہ رکھتی ہیں"۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات اور انسان کے درمیان سات ہزار نور کے پردے ہیں۔ جن سے مراد اطاعت اور اس کی صفات کے انوار ہیں اور صفات کے انوار اگرچہ پردے ہیں لیکن نورانی اور خوبصورت۔

اس ضمن میں ادب اور احتیاط کے قریب تر، اصمعی، جو علم لغت عرب کا عالم ہے کا حوالہ یوں ہے: اس سے "غین" کے بارہ میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اگر دوسروں کے بارہ میں پوچھتے تو میں جو کچھ جانتا تھا بیان کر دیتا لیکن آپ نے تو حالِ دلِ مصطفیٰؐ کا سوال کیا، جہاں میں دم نہیں مار سکتا۔ ایک چمگادڑ سورج کے سامنے اندھی ہی رہتی ہے۔ آپؐ کا استغفار پڑھنا خواہ امت کو درس دینے کے لئے تھا یا مراتب عُلیا کے حصول کے لئے ہر صورت میں آپؐ کا استغفار پڑھنا ثابت ہے۔ اس لئے انؐ کے پیروکاروں پر استغفار پڑھنا لازم ہے اور عین فرض۔ "و وفقنا بمتعابة نبیك علیه السلام" "اے اللہ ہمیں اپنے نبیؐ کی اتباع کی توفیق عطا فرما"۔

باب چہارم

دعا، ذکر اور تسبیح

اس باب میں دعا، ذکر اور تسبیح کے بارہ میں پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : 36

"من سره ان یستجیب اللہ عند الشدائد فلیکثر الدعاء فی الرخو"

دوسری حدیث : 36

"ان اللہ تعالیٰ یقول انا مع عبدي اذا ذکرنی و تحرکت شفتاہ"

تیسری حدیث : 38

"لایزال لسانك رطباً من ذکراللہ"

چوتھی حدیث : 38

"ان احب الکلام الی اللہ سبحان اللہ و بحمدہٖ"

پانچویں حدیث : 39

"افضل ذکر لا الہ الااللہ و افضل الدعا الحمدللہ"

اس کتاب کا چوتھا باب دعا، ذکر اور تسبیح کے بارہ میں ہے۔
اس باب میں پانچ احادیث مبارکہ ہیں۔

پہلی حدیث :

"من سره ان یستجیب اللہ عند الشدائد فلیکثر الدعاء فی الرخو"

'جب انسان سختی کی حالت میں کی گئی دعا کے عنداللہ مستجاب ہونے پر خوش ہوتا ہے تو اسے چاہیئے کہ نرمی کی حالت میں بھی کثرت سے دعا کرے"۔

نادان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان پر سختی اور دشواری آئے تو دعا اور گریہ وزاری کرتے ہیں اور جب ان پر کشائش اور نعمتیں نازل ہوں اور روزی سے انہیں فراغت ہو تو وہ غرور، سرکشی اور اسراف پر اتر آتے ہیں۔ ہر زمانہ میں نالائق لوگوں کا یہی حال رہا ہے

اور اس کے برعکس مومنِ صادق اور گریہ وزاری کرنے والے اور خوف ورجاء میں رہنے والے ہر حال میں خدا کی طرف ہی جھکتے ہیں خواہ خوشحالی اور امن امان میں ہوں یا سختی، دشواری، مصیبت اور مشقت میں وہ کسی صورت خدا تعالیٰ کو یاد کرنے اور اُس سے مدد طلب کرنے سے غافل نہیں رہتے۔ وہ نعمت کے دور میں شاکر اور سختی کے دور میں صابر رہتے ہیں اور یہی دو چیزیں ہیں جو ہمارے کمالِ ایمان کا سبب بنتی ہیں جس طرح دعا اور گریہ وزاری فراخی، خوشحالی اور نعمت کے دور میں دعا کی قبولیت کا ذریعہ بنتی ہیں وہ اسی طرح سختی اور دشواری کے دور میں بھی قبولیت کا درجہ پاتی ہیں اور انسان ان دو حالتوں میں سے ایک حالت سے کبھی خالی نہیں رہتا۔

پس حدیث کا مضمون اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ ہر حالت میں انسان کو دعا اور گریہ وزاری میں مشغول رہنا چاہیے تاکہ وہ سختی اور مصیبت سے امن امان میں رہے۔

"رزقنا اللہ علی کل حال" 'اللہ ہمیں ہر حال میں دعا کی توفیق عطا فرمائے"۔

دوسری حدیث :

"ان اللہ تعالیٰ یقول انا مع عبدي اذا ذکرنی و تحرکت شفتاہ"

"تحقیق اللہ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کا ساتھ دیتا ہوں [رحمت اور اعانت اور توفیق سے] جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور اپنے دو ہونٹ میرے ذکر میں ہلاتا ہے"۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ قلب وزبان سے بیک وقت ذکر کرنا افضلِ اذکار ہے نہ کہ صرف زبانی ذکر کرنا۔

چنانچہ بعض علماء تو یہ کہتے کہ ذکر وہی ہے جو زبان سے کیا جائے جیسے نماز میں قرأت کرنا جو بغیر تلفظ کے جائز نہیں۔ صاحب حصن حصین کا یہی خیال ہے لیکن حق بات تو یہ ہے کہ ذکر بھول کی ضد ہے۔ جیسا کہ لغت کی کتابوں میں مذکور ہے اور کلام کا اطلاق زبان اور دل دونوں سے متعلق واقع ہوا ہے۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اگر بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں اور اگر مجھے کھلے مجمع میں یاد کرے تو میں اسے اس مجمع سے بہتر ملائک کی جماعت میں یاد کرتا ہوں۔

قرآن مجید میں آیا ہے "واذکر ربك اذا نسیت" "جب بھی تو بھول چکا ہو تو اسی وقت خدا کو یاد کر"۔ "ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا" "اور اس کی اطاعت نہ کر کہ جسے میں نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے' آیات اور احادیث میں اکثر آیا ہے کہ دل میں کئے جانیوالا ذکر ثواب میں کئی گنا اضافے کا باعث بنتا ہے۔

قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ آیا ذکر صرف دل میں کرنا افضل ہے یا حضورِ دل کے ساتھ زبان سے۔ وہ لوگ جنہوں نے پہلی بات کو فضیلت دی انہوں نے اس دلیل کا سہارا لیا کہ چھپا عمل اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے اور جو دوسرے مؤقف کو ترجیح دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ زبان کے استعمال سے عمل بڑھتا ہے اور اس لئے اس سے اجر و ثواب میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ دوسرا قول صحیح ہے۔ جس طرح کہ المبارق فی شرح المشارق میں آیا ہے کہ جو ذکر دل میں ہوتا ہے وہ صرف زبانی ذکر سے افضل ہوتا ہے اور جب مطلب صحیح اور ارادہ نیک ہو تو خدا کا ذکر ہر حال میں اور ہر مقام پر پسندیدہ اور مستحسن ہے۔

آنحضورؐ نے اللہ سے عرض کیا کہ تجھے ایسے مقام پر کیسے یاد کروں جہاں خود مجھے اپنے آپ سے شرم آتی ہے، جیسے بیت الخلاء متعفن مقامات، تو خدا نے فرمایا کہ مجھے ہر حال میں یاد کر۔ اس لئے ان مقامات پر بھی اللہ کو یاد کئے جانے کی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ سے روائت ہے۔ القنیه میں اسی طرح ہے۔

اگر فاسق فِسق میں مصروف ہے اور تاجر دنیا کے کام میں لگے ہیں اور کوئی شخص مقام فِسق یعنی بازار سے گذرتا ہوا بلند آواز میں ذکر و تسبیح کرتا ہے اور اسکا ارادہ یہ ہے کہ وہ تو ادھر مشغول ہیں اور میں ذکر حق میں تو یہ مستحسن اور افضل ہے بجائے اکیلے میں ذکر و تسبیح کرنے سے یہ مؤقف الاشباہ والنطائر میں ہے۔ حقیقتاً وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ وہ تو ادھر مشغول ہیں اور میں پروردگار کے ذکر اور تسبیح میں۔

اسی حوالے میں ذکر ہے کہ اس طرح ملائکہ، انسان، جن، حیوانات، نباتات اور جمادات اس کے ذکر کے گواہ اور شریکِ سماع بن جاتے ہیں۔ گویا کہ اس کا عمل وسعت پذیر ہو جاتا ہے اور اس میں اُن سب لوگوں کی شرکت کا ثواب بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یعنی نیکی خود نیکوکار کے حق میں گواہ بن جاتی ہے۔ مگر جو کام دنیا کے دکھلاوے کے لئے ہو خواہ یہ دل میں ہو یا بازار میں بلند آواز سے ہر حال میں ناپسندیدہ اور ممنوع

ہے اور عصمت تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اونچی آواز میں ذکر شرع میں جائز ہے کیونکہ حضورؐ اور اصحابؓ اتنی بلند آواز میں ذکر فرماتے تھے کہ ذکر تو مسجد میں ہو رہا ہوتا تھا لیکن اس کی آواز بازار میں سنائی دیتی تھی اس بات کا ثبوت شرح المشکوٰۃ میں ہے۔

تیسری حدیث :

"لایزال لسانك رطباً من ذکراللّٰہ"

"چاہیئے کہ ایسا کوئی لمحہ نہ آئے جب تیری زبان ذکرِ خدا سے ترنہ ہو"

اس حدیث کا شان ورود یہ ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے کہا کہ 'یا رسول اللہ۔ اسلام کے قوانین اور احکام تو بہت زیادہ ہیں مجھے ایسا طریقہ بتائیں کہ اِدھر میں دروازہ پر دستک دوں اور اُدھر میری مراد مجھے حاصل ہو جائے یعنی مجھے ایسا عمل بتائیں کہ جو بہت سا ثواب اکٹھا کرنے میں مدد و معاون ہو تاکہ میں اس کی فرائض ادا کرنے کے بعد پابندی کروں اور اُسی کی وجہ سے باقی نفلوں سے بے نیاز ہو جاؤں' اس پر آنحضرتؐ نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے اسے ذکر حق کی تلقین فرمائی : جو زنگ آلود دل کے لئے صیقل ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آیا تمہیں میں یہ بتاؤں کہ تمہارے پروردگار کے نزدیک تمہارے اعمال میں سے کونسا عمل بلند ترین ہے اور اس سے بڑھ کر ہے کہ تم اس کی راہ میں سونا اور چاندی خرچ کرو اور تم میں سے بہترین لوگوں کو اگر اپنے دشمنوں یعنی کفار سے سابقہ پیش آئے اور تم ان کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمہاری یعنی کافروں کے ساتھ جنگ میں تم غازی یا شہید ہو اور وہ عمل اس سے بھی بہتر ہو۔ تو سب صحابہؓ نے فرمایا ہم تو بے خبر ہیں یا رسول اللہؐ ہمیں علم و آگاہی عطا فرمائیں تاکہ ہم وہ عمل کریں جس کے نتیجہ میں ہمیں اتنا بڑا اشرف حاصل ہو۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ وہ عمل خدا تعالیٰ کا ذکر ہے۔

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہترین عمل صدقِ دل سے اللہ کا ذکر کرنا ہے اور یہ خدا کی راہ میں جہاد اور قتال سے بھی بڑھ کر ہے۔ عبادتِ متعدی، لازم سے افضل ہے اور یہ حکم کلی نہیں صرف ذکرِ خدا تعالیٰ سے مخصوص ہے۔

چوتھی حدیث :

"ان احب الکلام الی اللّٰہ سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ"

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کلام **سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ** ہے میں تسبیح کرتا ہوں خدا کی ساتھ حمد کے"

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ کونسا کلام بہتر ہے اور سب سے فضیلت والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا وہ کلام وہی ہے جسے خدا نے ملائکہ کے لئے مختص کیا کہ وہ اس کی تعریف ان الفاظ سے کریں اور وہ کلام ہے **سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ** . روائت ہے کہ اگر اعمال کا ثواب مرئی ہوتا تو کوئی شخص جو نہی **سبحان اللّٰہ و بحمدہٖ** . کا ورد کرتا تو یہ زمین و آسمان کے درمیان خلاء کو پر کرتا نظر آتا۔ قرآن مجید میں کئی بار ان کلمات سے ذکر کرنے کا حکم ہوا ہے۔

یسبح الرعد بحمدہٖ و نحن نسبح بحمدك و فسبح بحمد ربك و استغفرہ

جو بات ان کلمات کی تفضیل پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کلمات اسم اعظم پر مشتمل ہیں جامع ہیں اور ساری ثبوتی اور سلبی صفات پر محیط ہیں۔

پانچویں حدیث :

"افضل ذکر لا الہ الااللّٰہ و افضل الدعا الحمدللّٰہ"

"فاضل ترین ذکر لاالہ الااللہ ہے اور فاضل ترین دعا الحمد للہ"

جاننا چاہیئے کہ ہر وہ چیز جس سے یاد خدا حاصل ہوتی ہے وہی اقوال و افعال ذکر میں شامل ہے اور چونکہ یہ کلمہ توحید کمالِ ایمان کا سبب ہے اس لئے یقیناً یہی بہترین اذکار ہے اور اس پر ہمیشہ قائم رہنے سے باطن کی پاکیزگی، دل کی صفائی اور تزکیہ نفس حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لئے مشائخ کرام اپنے مریدوں کی اصلاح کرنے کے لئے اسے اختیار کرنے کا کہتے ہیں۔ اور الحمد للہ یہ فاضل ترین دعا ہے کہ دعا کے معنوں میں ثناء ہو رہی ہے۔ اور ایک اثرانگیز سوال ہے جو زبان پر آنے سے پہلے حاجت روائی کا سبب بنتا ہے۔ کیونکہ خدا تمام چھپے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا کہ خدایا مجھے وہ کلمہ سکھا جس سے میں تجھے یاد کروں تو حق تعالیٰ نے فرمایا لا الہ الااللّٰہ موسیٰؑ نے پھر التجا کی کہ خدایا تجھے تو ہر کوئی اسی کلمہ سے یاد کرتا ہے مجھے ایسی چیز عنائت ہو کہ جب میں تجھے اس سے یاد کروں تو دوسروں سے ممتاز ہو جاؤں۔ تو اللہ نے فرمایا اے موسیٰ اگر زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالے جائیں اور لا الہ الااللّٰہ دوسرے پلڑے میں تو ہر صورت میں لا الہ الااللّٰہ کا پلڑا بھاری اور جھکا ہوا ہوگا۔

بابِ پنجم

استعاذہ

اس باب میں پناہ مانگنے کے بارہ میں پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : 41

"اللھم انی اعوذبك من زوال نعمتك و تحول عافیتك و فجاءۃ نقمتك و جمیع سخطك"

دوسری حدیث : 42

"اللھم الھمنی رشدی و اعذنی من شر نفسی"

تیسری حدیث : 43

"اللھم انی اعوذبك من شرما عملت و من شر مالم اعمل"

چوتھی حدیث : 44

"اللھم انی اعوذبك من الکفر و الفقر و عذاب القبر"

پانچویں حدیث : 45

"اللھم انی اعوذبك من منکرات الاخلاق والاعمال و الاھواء"

پہلی حدیث :

"اللهم انی اعوذبك من زوال نعمتك و تحول عافيتك و فجاء ة نقمتك و جميع سخطك" :

"اے میرے اللہ میں فی الحقیقت تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، زوالِ نعمت سے اور عافیت کے لوٹ جانے سے جو تو نے مجھے عطا فرمائی تھی اور اچانک عذاب سے اور تیری ناراضگی سے"

اور یہ چار چیزیں جن سے آنحضورؐ نے پناہ طلب کی مشکل ترین مصیبتیں ہیں ان میں زوالِ نعمت بلاء عظیم ہے بمقابلہ اس کے کہ سرے سے نعمت نصیب ہی نہ ہوئی ہو مثلاً جیسے حلال دولت، نیک اولاد یا عزت واحترام کسی کو حاصل ہوں اور وہ اس سے چھن جائیں تو اس وقت غم اور ملال مزید بڑھ جاتا ہے بمقابلہ اس کے کہ جس نے ان نعمتوں کا سرے سے مزہ چکھا ہی نہ ہو۔

سب سے بڑی نعمت اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمائی ہے۔ اس کا چھن جانا ہمیشہ کے لئے ذلت وخواری کا باعث ہے ہمیں اللہ اس سے پناہ دے۔

عافیت کا واپس لے لیا جانا یا اس کا پلٹ جانا جیسے صحت اور فراغت اچانک قسم قسم کے امراض اور پریشانیوں سے بدل جائیں تو یہ اس سے زیادہ دردناک ہوتا ہے کہ کسی شخص کو صحت وسلامتی اور خوشحالی سرے سے نصیب ہی نہ ہوئی ہو اور یہ مراحل اس وقت زیادہ سخت ہو جاتے ہیں جب ان نعمتوں میں آہستہ آہستہ اور محسوس انداز میں کمی آتی جائے اور سب سے مشکل یہ بات ہے کہ انسان کو نیکی اور احسان کی توقع ہو اور الٹا اس پر عذاب اور مصیبت نازل ہو جائے۔

ماضی کے قصوں میں سے ایک قصہ یہ ہے کہ کافروں پر عذاب ہونا تھا آسمان پر بادل چڑھے اور ان لوگوں نے بارش کی آس لگائی کہ اچانک انہی بادلوں سے عذاب نازل ہو پڑا جو ان کی ہلاکت کا باعث بنا اور اس سے ان کی حسرت اور عقوبت میں کئی گنا شدت آگئی۔

مصیبت کا آنا تین صورتوں میں ہوتا ہے

۔ایک تو ایسے کہ عذاب اور مصیبت کا پہلے سے انسان کو کھٹکا ہو اور وہ آجائے۔

۔دوسرے یہ کہ اسے کسی قسم کا ڈر اور گمان نہ ہو کہ مصیبت آن پڑے۔

۔ تیسرے یہ کہ وہ بھلے اور احسان کی آس دل میں لگائے بیٹھا ہو اور اس پر مصیبت اور عذاب نازل ہو جائے جیسا کہ واضح ہے دوسری صورت پہلی سے اور تیسری صورت دوسری سے دشوار تر ہے۔

خدا کا قہر اور اس کے ساتھ ساتھ اس پر اظہار رضا کا فقدان تمام مشکلات سے مشکل ہے۔ لہٰذا جب اہل جنت کو یہ حکم ہوتا ہے کہ اے اہل بہشت مانگئے! اور وہ ساری نعمتیں جو انہوں نے مانگی تھیں انہیں حسب وعدہ مل گئیں تاہم اکابر اہل اسلام نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ وہ رضا کے ہر وقت طلبگار

رہیں تاکہ کہیں دوبارہ ان پر غضب اور غصہ نازل نہ ہو جائے۔

"رضوان من الله اكبر و لمقت الله اكبر" "اللہ کی رضا اور قہر دونوں بہت بڑے ہیں"۔

بڑی نعمت خدا کی رضا اور اس کا دیدار ہے اور سب سے بڑا عذاب اس کا قہر اور اس کے دیدار سے محرومی ہے۔

دوسری حدیث :

"اللهم الهمنی رشدی و اعذنی من شر نفسی"

"اے ذاتِ باری تعالیٰ مجھے الہام فرما اور مجھ میں یہ صلاحیت پیدا کر کہ میں سیدھی راہ پر چلوں اور گمراہ نہ ہو جاؤں"

اس سے مراد تمام امور میں ہدائت حق طلب کرنا اور اپنے نفس کی بدی سے پناہ مانگنا ہے، کیونکہ یہ تمام برائیوں میں سب سے بڑی برائی ہے۔

اس حدیث کا شانِ ورود اس طرح ہے کہ آنحضرتؐ نے حصین جو عمران کے والد ہیں [یہ باپ بیٹا دونوں مشہور صحابی ہیں اور عمران کو تو فرشتوں کی صحبت بھی حاصل تھی] سے کہا کہ اے حصین آج تو نے کتنے خداؤں کی عبادت کی ہے تو اس نے کہا 'چھ جو زمین پر ہیں اور ایک جو آسمان پر ہے' اور ایک کا اشارہ خالق حق کی طرف تھا۔ آپؐ نے فرمایا 'تیرا کیا خیال ہے کہ ان میں سے کس سے زیادہ تو نے امید رکھی اور کس سے خوف کھایا اور کس سے تجھے نفع کی توقع اور ضرر کا خدشہ زیادہ تھا'۔ حصین نے کہا 'وہ جو آسمانوں میں ہے' اس بات کو سن کر حضورؐ کی امید بڑھی کہ یہ آدمی اسلام کے قریب تر ہے۔ خیر البشرؐ نے فرمایا کہ 'اے حصین اگر تو مسلمان ہو جائے تو تمہیں دو ایسے کلمہ سکھا دوں گا کہ ان سے تجھے فائدہ ہی فائدہ ہو گا' اور جب حصینؓ مسلمان ہو گیا تو اس نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ مجھے وہ دو کلمے سکھایئے جن کا آپؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اس پر حضورؐ نے یہ حدیث بیان فرمائی جو دو جملوں پر مشتمل ہے ایک الہامِ رُشد طلب کرنا اور دوسرے پناہ مانگنا بدی سے جو انسان کے دشمنوں میں سب سے بڑی دشمن ہے۔

حجة الاسلام، ابو حازمؒ سے روائت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ دنیا کیا ہے اور اس کا شیطان کیا ہے۔ دنیا تو یہ ہے کہ جو کچھ گذر گیا وہ خواب تھا اور جو باقی رہ گیا وہ صرف آرزو ہے اور شیطان اگر مطیع بھی ہو جائے تو نفع نہیں دیتا اور اگر باغی ہو تو نقصان نہیں کر سکتا اور تُو اس نفس کی جہالت کو کیا سمجھے کہ یہ تو وہی طلب کرتا ہے جو مضر اور مہلک ہے، تجھے چاہئیے کہ عالموں اور عاقلوں کی طرف دیکھے جن کی آنکھیں ہر وقت عاقبت پہ لگی ہیں، نہ کہ جاہلوں اور فاسقوں کی طرف جن کی نظریں صرف حال پر ہیں، وہ ایسے ہے

جیسے شہوت کی حالت میں وہ حیوان ہوتا ہے، غصے کی حالت میں وہ درندہ ہوتا ہے اور گناہ کی حالت میں ناپختہ، بھوک کی حالت میں دیوانہ اور اگر سیر ہو جائے تو بدمست، اگر تو اسے پیٹ بھر کر کھلائے تو وہ نافرمان ہو جاتا ہے، اگر بھوکا رکھے تو آہ وزاری کرتا ہے، اور قسم قسم کے شکوک و شبہات کا اظہار کرتا ہے، ایسے ہی جیسے ایک بد خو گدھا، اگر اسے کھانے کو مل جائے تو دولتیاں جھاڑتا ہے اور اگر بھوکا ہو تو بلبلاتا ہے۔ اس لئے اگر تیرا ہدف سعادت اور خودداری ہے تو تجھے کسی صورت میں اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے اور اس کا تو ویسا ہی حال ہے جیسا پروردگار نے کہا ہے "ان النفس لا مارة با لسئوه": "کہ نفس تو بغاوت کر کے بدی کی طرف لے جاتا ہے"۔ جیسا کہ منہاج العابدین میں کہا گیا ہے آنحضرتؐ نے اسی وجہ سے اس کی بدی سے پناہ مانگی ہے اور فرمایا ہے کہ "اعذنی من شر نفسی": "اے اللہ مجھے میرے نفس کی شر سے بچا" اور سارے سچے لوگ اس کی شر سے خوفزدہ ہیں اور شیطان پر جو آفت آئی وہ اس کے اپنے نفس کے اثرات کی وجہ سے تھی اور اسی طرح جس جس کو ضرر پہنچا وہ اس کی اپنی وجہ ہی سے تھا مثلاً قابیل اور بلعم باعور، اللہ ہمیں پناہ دے ان سب سے۔

اللھم اعذنا من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا امین۔

اے اللہ ہمیں اپنے نفوس کی شرارتوں اور بداعمالیوں سے بچالے۔ آمین اور جو شخص اس دعا کو جو افضل عالمؑ نے حسینؓ کو تلقین فرمائی تھی اپنا ورد بنالے تو جتنا زیادہ وہ اس کو پڑھے گا تو اس کا فائدہ اتنا ہی جلدی پالیگا (انشاء اللہ)

تیسری حدیث :

"اللھم انی اعوذبك من شرما عملت و من شر مالم اعمل"

"اے اللہ جو میں نے کیا اس کے شر سے بھی مجھے بچا اور جو نہیں کیا اس کے شر سے بھی"

یعنی مستقبل میں بھی کوئی کام ایسا نہ کروں جس سے تو خوش نہ ہو یا جتنا جیوں لذتوں کو ترک کروں اور اس طرح میں اپنے نفس سے بے زاری اور اجنبیت پیدا کروں۔

؎ بر سر منہ ز نخوت تیرگی کلہ کلاہ
اپنے سر پر ظلمت کے غرور سے (میں نہ مانوں کی ٹوپی) نہ رکھ
مرد معجب ز اھل دین نبود　　　ہیچ خود بین خدا بین نبود
بھٹکا ہوا آدمی اہل دین میں سے نہیں ہوتا　　　کوئی خود پرست خدا پرست نہیں بن سکتا

یا میں ریاء کروں کیونکہ لوگوں کے دکھلاوے کے لئے ترک گناہ ریاء ہے یا میں دوسرے کے گناہوں میں پکڑا

جاؤں جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس شخص کے جواب میں کہا جس نے یہ کہا تھا کہ ظالم اپنے بغیر کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا تو انہوں نے فرمایا خدا کی قسم پہنچاتا ہے جیسا کہ اس ہوبڑا کو جو ظالم کی شامت اعمال میں ہونے والی عذاب کی بارش کی وجہ سے پابند آشیان رہنے کی وجہ سے نحیف و نزار ہو کر مرجاتا ہے اس طرح کسی اور کے ظلم کا عذاب کسی دوسرے میں سرائت کر جاتا ہے۔

غزوہ احد میں یہی صورت پیش آئی کہ لشکر اسلام کو آنحضرتؐ کی نافرمانی کر کے اور حکم امیر کی خلاف ورزی کی وجہ سے شکست کھانا پڑی، آپؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے ۷۰ صحابہؓ نے شہادت پائی اور بہت سے مجروح ہوئے۔ روائت ہے کہ حضرت طلحہؓ ابن عبیداللہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے بھتیجے ہیں کو ۸۰ سے زائد زخم آئے جو ضربات ان کے جنگی آلات اور لباس پر پڑیں وہ ان کے علاوہ تھیں ان کا کوئی عضو نہ تھا جو مجروح نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ ان کا عضو مردانگی بھی مجروح ہوا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے حضورؐ کی ڈھال کا کام لیا جو زخموں سے شل ہو گیا۔ جب آپؐ کو احد کی ایک گھاٹی میں پہنچے اور آپؐ نے چاہا کہ اس کی چوٹی [جو آج تک یزدرو یربیک کے نام سے مشہور ہے] جو ابھی تک محفوظ تھی وہاں استراحت فرمائیں تو آپؐ تھکاوٹ کی وجہ سے جو آپؐ کے وجود مبارک میں آچکی تھی اوپر نہ چڑھ پاتے تھے لیکن اپنے زخموں کے باوجود طلحہؓ نے آپؐ کے مبارک قدموں کے نیچے جا کر آپؐ کو اٹھایا اور آپؐ چٹان پر چڑھ گئے۔ اسی وقت انہیں جنت کی بشارت ملی اور اصحابؓ میں یہ بات چل نکلی کہ آج کا دن طلحہؓ کا دن تھا۔

چوتھی حدیث :

"اللھم انی اعوذبك من الکفر و الفقر و عذاب القبر"

"اے اللہ میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں کفر، فقر اور عذاب قبر سے"

یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ آنحضرتؐ بلکہ سارے انبیاء، کفر اور فقر جس سے مراد مخلوق کا محتاج ہونا ہے اور عذاب قبر جس کا وعدہ کفار اور بعض گناہگار مسلمانوں کے لئے ہوا ہے سے مستثنیٰ اور محفوظ ہیں۔ اس لئے اس سے مراد امت کو تلقین اور ہدایت فرمانا ہے اور خدائے بے نیاز کی درگاہ میں جو خالق اور مختارِ کل ہے اظہار عجز و انکسار کرنا ہے۔ کیونکہ جتنی معرفت زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی خوف زیادہ ہوتا ہے جس طرح آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں خدا کے سامنے تم سب سے زیادہ کمزور اور ڈرنے والا ہوں۔

خوف و خشیت داناؤں کا خاصہ ہے جو دانا نہیں ہوتا وہ ڈرتا نہیں۔ روائت ہے کہ ایک روز حضرت جبرائیلؑ کو حضورؐ نے فرمایا کہ ہم انبیاء پر تو ہمیشہ خوف و خشیت حاوی رہتے ہیں تو آپ کا جو

درگاہ خداوندی کے مقرب فرشتے ہیں کیا حال ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ جان لیجئے کہ جس خدا نے آپ کو پیغمبر برحق بنا کر بھیجا اس نے جس دن سے ابلیس کو ہم سے دھتکار کر ملعون کیا ہم کسی لمحہ اور کسی گھڑی آرام میں نہیں رہے اور ہر وقت خدا کے جلال بے زوال کے آگے مبہوت اور ترساں رہتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ کاش میں ایک درخت کا پتہ ہوتا کہ بھیڑیں مجھے چر جاتیں۔ اور حضرت مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ کاش میں تو حیض کا خون ہی رہتا اور پیدا ہی نہ ہوتا۔ تمام مقربین خدا اگر انبیاء، فرشتے اور اولیاء اللہ تعالیٰ کی ہیبتِ جلالی اور قہاری کے آگے ہر وقت عجز و انکسار اور خوف میں لرزاں رہتے ہیں تو ہم ایسے گناہگاروں اور بدکاروں کا کیا حال ہوگا، جو ہمیشہ بے فکر اور سکھ چین میں بے پرواہ ہو کر بیٹھے رہتے ہیں، لیکن یہ تو ہماری جہالت اور حماقت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ حماقت کی نشانی بے غمی، بے خوفی اور تساہل پسندی ہے۔ جو جتنا احمق ہوتا ہے اتنا ہی بے خوف، بے دھڑک اور تساہل پسند ہوتا ہے۔

اعوذ باللہ من قلب لا یخشع: اس دل سے خدا کی پناہ جس میں خشیت نہیں اسی بات پر دلالت کرتی ہے۔

◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈

پانچویں حدیث:

"اللھم انی اعوذبك من منکرات الاخلاق والاعمال و الاھواء": "اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بدخوئی، بدعملی اور بدنیتی سے جس پر میرا نفسِ شریر مائل ہے"

اور منکر الصراح کی رُو سے نکر اور ینکر سے ہے جس کے معنی تسلیم نہ کیے جانے کے ہیں، جو معرفت کی ضد ہے، یعنی ایسی چیز جس کا انکار کیا جانا چاہئیے اور جو شریعت اور دین کی رُو سے تسلیم نہیں کی گئی اور اس کا وجود آخرت کے لئے مضر ہے۔

شیخ الشیوخ نے العوارف میں بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چیز ہے جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جنت میں لے کر جانے والی ہے۔ آپؐ نے فرمایا پرہیزگاری اور حسن خلق۔

حضرت رسالت پناہؐ فرماتے ہیں کہ پرہیزگاری کی تین نشانیاں ہیں:۔

۱۔ بُری مجلس سے بچنا
۲۔ غیبت سے دور رہنا
۳۔ حلال میں احتیاط کرنا

اور بابرکت حسن خلق کی تفسیر تین چیزوں سے فرمائی:۔

۱۔ کشادہ روئی
۲۔ قول و فعل اور ارادے سے لوگوں تک بھلائی پہنچانا
۳۔ مردم آزاری سے بچنا۔

ان تین خصلتوں میں تمام فوائد یکجا ہو گئے ہیں اور یہ تمام نقصانات سے بچاتی ہیں اور یہ تعوذ ایسا ہے کہ آپؐ کے بعض صحابہؓ اسے ہمیشہ ورد فرماتے تھے اور اس ورد پر قائم رہنا بڑے فائدوں کا باعث ہے۔ اللہ ہمیں یہ فائدے نصیب فرمائے۔

باب ششم

فضائلِ قرآن

اس باب میں فضائلِ قرآن کے بارہ میں پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

ابتدائیہ : 48

پہلی حدیث : 49

"خیر کم من تعلم القرآن و علمه"

دوسری حدیث : 51

"ان اللّٰه یرفع بھٰذا الکتاب اقواماً و یضع به آخرین"

تیسری حدیث : 51

"ان الذی لیس فی جوفهٖ شئی من القرآن کالبیت الخرب"

چوتھی حدیث : 51

"فاتحة الکتاب شفأ من کل دآء"

پانچویں حدیث : 53

"المراء في القرآن کفر"

ابتدائیہ :

قرآن کے فضائل کا تو کوئی شمار نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا کلام اس کی صفت ذاتی ہے جو اس سے جدا نہیں۔ جس طرح خدا کی ذات قدیم اور لازوال ہے اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم اور لازوال ہیں۔ اس لئے جو حادث و متناہی ہے اس کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کمالات کی حقیقت کو پا لے۔ فی الجملہ جو کچھ آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ میں فضائلِ قرآن کے ضمن میں فرمایا گیا ہے اس میں سے کچھ کا مفہوم بیان کیا جاسکتا ہے، مثلاً بشیراً و نذیراً اور آنحضورؐ کے معجزات اور شفاء اور دوا اور نصیحتیں اور ہدایتیں جس میں پہلی ساری کتابوں کو سمو دیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ کتابیں ضخیم تر اور تعداد میں زیادہ تھیں۔ تورات کے چالیس اجزاء تھے اور ہر جزو قرآن سے ضخامت میں زیادہ تھا اور ان کا یاد کرنا سوائے انبیاء کے کسی کو نصیب نہ ہوا۔ خدا تعالیٰ نے بغیر زبان و دہن اور حروف وبجہ کے جبرائیل کو سنوایا جو جبرائیل نے حرف وبجہ اور آواز سے پیغمبرؐ کے سامنے پڑھا اور آپؐ نے اپنے اصحابؓ تک۔ جنھوں نے اسے مصاحف کی صورت میں تحریر کیا اور ان تمام مصاحف پر بغیر کسی امتیاز کے قرآن کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"تبارك الذی نزل الفرقان علی عبدہ" :

"بزرگ اور ہمیشہ کے لئے قائم ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کی طرف قرآن بھیجا"۔

"انا انزلناہُ" : "ہم نے قرآن بھیجا"

اور فرمایا "نزل به الروح الامین" : "جبرائیل قرآن لے کر آئے"۔

خدا نے اسے پڑھنے اور سننے کا حکم دیا۔

"فاقراؤ ما تیسر منه من القرآن" فرمایا "پڑھیئے قرآن جتنا کہ میسر ہو"

"و اذاقرأ القرآن فا ستعمو" : "جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو" اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کو بغیر طہارت کے مس کرنے سے قطعاً منع فرمایا "لا یمسه الا المطهرون" اس لئے قرآن کو بغیر ان لوگوں کے جو جنبی نہ ہوں اور باوضو ہوں اسے مس نہ کریں۔

یہ سوال کرنے والے کہ اگر قرآن اس حالت میں نہ پڑھا جاسکتا ہے، نہ سنا جاسکتا ہے اور نہ لکھا جا سکتا ہے تو اس کے پڑھنے اور سننے کے حکم پر کیونکر علمدرآمد ہوگا اور بغیر طہارت اس کو مس کرنے سے منع کیوں کیا گیا اور اگر کوئی شخص اپنے زعم میں اس حکم کے قرآن پر اطلاق سے انکار کرتا ہے تو اس پر یقیناً نفس قرآن کے جھٹلانے کا الزام آتا ہے جو کفر ہے اور اللہ اس سے بچائے۔ فقۃ الاکبر میں یہی موقف ہے۔

حسن تورپشتیؒ معتمد فی المعتقد میں کہتے ہیں کہ قرآن خدا کا غیر مخلوق کلام ہے۔ یعنی قدیم اور جو زبانوں سے پڑھا گیا، صحیفوں پر لکھا گیا اور دلوں میں یاد رکھا گیا، وہ ہمارا پڑھا ہوا قرآن ہے۔

پڑھنا پڑھنے والے کی صفت ہے، لکھنا لکھنے والے کی اور حفظ کرنا حافظ کی۔

ابنِ عباسؓ نے کسی کو کعبہ شریف میں یہ کہتے سنا "یا رب القرآن" تو آپ نے فرمایا رک جا! خدا کو قرآن کا پروردگار نہ کہو کیونکہ اس سے تو قرآن پروردہ ثابت ہوگا اور جو بھی پروردہ ہوتا ہے مخلوق ہوتا ہے اور قرآن تو غیر مخلوق ہے اور یہی علمائے سلف و خلف کا مذہب ہے اور ان کے اقوال کو پس پشت ڈالنا بدعت اور ذلالت ہے اور اس لئے اہل سنت کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسا ہی عقیدہ رکھیں اور قدرت کے بھیدوں کو قادر تک رہنے دیں اور اللہ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق دے۔

پہلی حدیث :

"خیر کم من تعلم القرآن و علمه"

"تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا"

جو کچھ قرآن سے اخذ ہوتا ہے مثلاً علوم شرعی وہ بھی قرآن حکیم کی تعلیم کے ضمن میں آتے ہیں۔

قتادہؓ سے روایت ہے کہ قرآن اور فقہ ہر دو کی واجبی حد تک تعلیم حاصل کرنے میں فضیلت ہے لیکن وجوب میں فقہ کی تعلیم افضل ہے اور شرعی علوم کی تعلیم و تدریس کی فضیلت اور ثواب کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔

جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک عالم کو عابد پر اتنی ہی فضیلت ہے جیسے مجھے تم میں سے ادنیٰ لوگوں پر۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کی ذات، اس کے فرشتے، آسمان و زمین والے، سوراخ میں چیونٹی سے لے کر پانی میں مچھلی تک ہر کوئی درود بھیجتا ہے اور دعا کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو انسانوں کو بھلائی کا سبق دیتے ہیں اس سے مراد تمام ذی حیات ہیں جن پر خیر کی تعلیم دینے والوں کی برکت سے آسمان سے برکتیں نازل ہوتی ہیں اور بحر و بر ان سے نفع اٹھاتے ہیں۔

"بهم یمطرون و بهم یرزقون" "انہی کے طفیل بارشیں برستی ہیں اور رزق تقسیم ہوتا ہے"۔

اور یہ بات تو کسی سے ڈھکی چھپی ہوئی نہیں اس لئے خشکی اور تری پر رہنے والوں کو معلوم ہونا چاہئیے کہ یہ سارے فائدے جو ان تک پہنچتے ہیں نیک لوگوں اور راہ راست دکھانے والوں اور صراط مستقیم پر قائم رہنے والوں کی وجہ سے ہیں لہٰذا ان کے احسان کا بدلہ چکانے کے لئے انہیں دعائے خیر سے یاد کیا جانا چاہئیے اور اپنے اللہ سے استغفار کرنا چاہئیے اور یہ کہا گیا ہے کہ علم کے متلاشی پر فرشتے خدا کی رضا اور کرامت سے زمین پر اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ جو اس میں چھان بین کرتا ہے وہی رحمت سے جھولی بھرتا ہے اور طالبعلم کی تواضع تو فرشتے بھی کرتے ہیں۔ اور علم، علماء اور طالبعلموں کے حق میں بے شمار احادیث اور روایتیں ہیں جن کی گنتی اور احاطہ ممکن نہیں، لیکن آخری نتیجہ کا دارومدار تو نیت کی پاکیزگی اور عمل کے درست ہونے پر ہے۔ اور اس

کے لئے علم ہی ضروری ہے، کیونکہ علم کے بغیر انسان میں اعتماد پیدا نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں قرآنی آیات اور حضورؐ کی احادیث گواہ ہیں مثلاً قرآن کہتا ہے 'مثل الذین حملو التورات ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا" : "جب ان کو حکم دیا گیا کہ احکام تورات کو اپنے اوپر نافذ کرو تو انہوں نے یہ تو نہ کیا صرف اس کو پڑھ لینے کو کافی سمجھا اور جو کچھ اس میں تھا اس پر عمل پیرا نہ ہوئے تو وہ ایسے ہی ہیں جیسے گدھا علم کی کتابیں اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہو"۔ یعنی بے فائدہ تکلیف اٹھائی۔ اور اللہ فرماتا ہے "و کتاب اللّٰه و رأ ظھورھم کانھم لا یعلمون" "ان لوگوں نے خدا کی کتابوں کو پیٹھ پیچھے چھوڑ دیا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی اہم شے کو پس پشت ڈال دیا جائے اور وہ بھی بڑی لاپروائی سے"۔

"یاایھاالذین امنو لم تقولون ما لا تفعلون کبراً مقتاً عنداللّٰه ان تقولو ما لا تفعلون"

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اور خدا کے نزدیک یہ بات ناراضگی کا باعث ہے کہ تم اپنے کہے پر عمل نہ کرو"

حضرت رسالتؐ پناہ نے شبِ معراج دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ قینچی سے کاٹے جا رہے ہیں اور آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں سے بعض لوگوں کا روزِ قیامت یہ حشر ہوگا کہ وہ اپنی زبانوں کو کاٹ رہے ہوں گے اور وہ ان کے منہ سے جگالی ہو کر ان کے سینوں پر گر رہی ہونگی اور ان کے منہ سے پیپ کا سیلاب بہہ رہا ہوگا اور اہل محشر کو ان لوگوں سے کراہت ہوگی اور وہ ایسے عالِم ہوں گے جن کے قول ان کے عمل کے خلاف ہوں گے۔ المواھب میں اسی طرح ہے۔

"ویل للعالم سبعین مرة و للجاھل مرة"

"عالم کے لئے ستر مرتبہ ویل ہے اور جاہل کے لئے ایک بار" اور ویل کلمۂ عذاب ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ویل دوزخ کا ایک کنواں ہے جس سے دن میں ستر (۷۰) بار دوزخ بھی پناہ مانگتی ہے۔

اور قطب زمان سید جلال الدین جھانیاں قدس اللّٰه سره العزیز اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ ویل دوزخ کا صحرا ہے جس کی انتہا صرف خدا کو معلوم ہے اور اس میں ہر قسم کا عذاب موجود ہے اور اس کے باسی عالمِ بے عمل ہوں گے۔ حضورؐ کی یہ حدیث "اللھم انی اعوذبك من علم لا ینفع" : "اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جس سے نفع نہ پہنچے" اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے

اور یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ علم اس وقت ہی کسی شخص کے حق میں دلیل بنتا ہے جب وہ اس پر عمل کرے یا اس کے خلاف دلیل بنتا ہے جب وہ اس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کرے اور عربی کے مقولہ "العلم لك اؤ علیك" کا یہی مقصد ہے۔

دوسری حدیث :

"ان اللّٰه یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ آخرین"

"تحقیق! کہ خدا نے اسی قرآن سے کچھ لوگوں کا مرتبہ بڑھایا (جنھوں نے اس پر عمل کیا اس کی تلاوت کی، اس سے خلوص برتا اور اس میں اجتہاد کیا) اور کچھ لوگوں کو پیچھے دھکیل دیا ہے [نااہل قرار دے دیا جنھوں نے ایسا نہ کیا اور قرآن کے کمالات سے نفع نہ اٹھایا]"

قرآن مضبوط رسی ہے اور جس کسی نے اسے مضبوطی سے پکڑا وہ نجات پا گیا اور جس کسی نے اس سے ہاتھ اٹھایا وہ ذلیل و خوار ہوا اللہ ہمارا مددگار ہو۔

تیسری حدیث :

"ان الذی لیس فی جوفہٖ شئی من القرآن کالبیت الخرب"

"وہ شخص جس کے دل میں قرآن میں سے کچھ نہیں وہ ایک ویران گھر کی طرح ہے"

اس سے مراد سارے قرآن کا حفظ کرنا پایا جاتا ہے یا کچھ حصوں کا جو نماز میں پڑھے جانے والے حصوں سے ذرا زیادہ ہوں۔ بعض آئمہ دین ناظرہ قرآن کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں کیونکہ اس میں تلاوت قرآن کی قوت موجود ہے۔ اس صورت میں اس حدیث سے مراد یہ ہو سکتی ہے اگر کوئی شخص نماز کی خاطر پڑھے جانے والے قرآن کے حصوں کے علاوہ مزید کوئی حصہ قرآن سے یاد نہیں کرتا اور نہ ناظرہ قرآن پڑھ سکتا ہے تو وہ ایک ایسے ویران گھر کی مانند ہے جس میں کوئی آدمی نہ بستا ہو اور ایسا گھر بدبو اور نجاست کا ڈھیر بن جاتا ہے اور اسی طرح جس دل میں قرآن نہ ہو وہ شیطانوں کی اور برے عقائد کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

اور شیطان اس گروہ سے دور بھاگتے ہیں جو قرآن پڑھتا ہے۔ سبحان اللہ قرآن کی کیا عظمت ہے اور کس کی مجال ہے کہ اسے بیان کر سکے۔

قرآن پڑھنے کا کم سے کم یہ ثواب ثابت ہے کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور اس سے بڑھ کر مراتب اللہ جانتا ہے۔

چوتھی حدیث :

"فاتحة الکتاب شفأ من کل دآء"

"الفاتحة الکتاب کو یقین سے پڑھا جائے تو یہ ہر درد کی دوا ہے خواہ وہ درد جسمانی ہو خواہ روحانی"

اس کی عظمت کی وجہ سے اس سورة کے بہت سارے نام ہیں۔

۱۔ فاتحہ، ۲۔ ام القرآن، ۳۔ اِساس، ۴۔ سورۃالکنز، ۵۔ سورۃوافیہ، ۶۔ سورۃالکافیہ، ۷۔ سورۃالحمدوالشکر، ۸۔ سورۃالدعاء، ۹۔ سورۃالتعلیم المثانی، ۱۰۔ سورۃالصلوٰۃ، ۱۱۔ سورۃالشافیہ والشفاء، ۱۲۔ سورۃالمسالہ، ۱۳۔ سبع المثانی، ۱۴۔ قسمت و منت۔

فاتحہ اس لئے کہ یہ قرآن کاافتتاحیہ وآغاز ہے اور اسی سے قرآن کی ابتداء ہوتی ہے۔

ام القرآن اس لئے کہ جو جو مضامین قرآن میں ہیں وہ سب اس کی آیات میں مضمر ہیں۔

اِساس اس لئے کہ اس میں وہ چار چیزیں شامل ہیں جو اٹل ہیں، حمد و ثناء، عبادت اور امر و نواہی اور وعدہ و عید۔

کنزاس لئے کہتے ہیں کہ اس میں دونوں جہان کے فوائد رکھے گئے ہیں۔

کافی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں وہ تمام مطالب جن کا پڑھنا اور بتانا ضروری ہے شامل ہیں اور جن کے پڑھنے سے کوئی شخص محروم نہیں رہتا اور نہ نقصان اٹھاتا ہے۔

اور سورۃ دعا و التعلیم المسالہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں یہ دونوں موجود ہیں۔

سورۃالصلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے اور بقول امام شافعیؒ الحمدللہ کے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں، خواہ (نمازی) مقتدی ہی کیوں نہ ہو۔

الشفاء اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ہر درد کی دوا ہے۔

سبع المثانی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی سات آیات ہیں، بار بار نماز میں اس کی تکرار ہوتی ہے اور یہ دو مرتبہ نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ معظّمہ میں جب نماز فرض ہوئی اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں جب قبلہ تبدیل ہوا۔

اور سورۂ قسمت اس لئے کہ الحمد سے لے کر ملك يوم الدين تک ساری اللہ کی تعریفیں ہیں اور اياك نعبد و اياك نستعين سے لے کر آخر تک اللہ اور بندے کے درمیان باتیں ہیں کہ عبادت خدا کے لئے اور استعانت بندے کے لئے۔

سورۃ منت اس لئے کہتے ہیں کہ خود خدا نے اس سورۃ کا بھیجنا اپنے رسولؐ پر احسان قرار دیا ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے "ولقد اٰتيناك سبعاً من المثانی و القران العظيم": "تحقیق میں نے تجھے سبع المثانی اور قرآن عظیم عنائت کیا"، جس سے مراد سورۃالفاتحہ ہے۔

اس کے نزول کے اسباب میں واقع ہے کہ ایک مرتبہ آنحضورؐ نے دیکھا کہ بنو قریظه اور بنو نضیر کے سات قافلے انواع واقسام کے لعل وجواہر، مال و متاع اور لباس ہائے فاخرہ لئے ہوئے ہیں اور تیسیر میں ہے کہ اسی طرح قریش کے سات قافلے ایک ہی دن میں مکہ آئے جن کے پاس بہت سا

خورد و نوش کا سامان اور بہت سے لباس ہائے فاخرہ اور پارچہ جات تھے۔ کچھ صحابہؓ نے کہا کہ اگر یہ سارے مال و اموال ہمارے پاس ہوتے تو ہم انہیں سارے کا سارا خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے یا حضورؐ کے دل میں یہ بات آئی کہ اگر یہ اموال ان لوگوں کے پاس ہوتے جو ان کے اہل ہیں تو وہ اپنی ضرورتوں سے فارغ البال اور بے فکر ہو کر خدا کی اطاعت بجالاتے تو یہ موقع تھا کہ یہ سورۃ نازل ہوئی کہ اگر میں نے کافروں کو یہ مال و متاع عطا کیا ہے تو تم کو سورۃالفاتحہ عطا کی ہے جو ان فانی قافلوں اور فانی اموال سے بہتر ہے۔

ابی سعید المعلیٰ نے عرض کیا یارسول اللہؐ مجھے قرآن کی اہم ترین سورۃ بتایئے تو آپؐ نے فرمایا کہ قرآن کی سورۃ اعظم الحمدلله رب العالمين ہے اسی لئے اس کو سورۃ سبع المثانی و قرآنِ عظیم کہا گیا ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

پانچویں حدیث:

"المراء في القرآن كفر"

"قرآن کے ضمن میں لڑنا جھگڑنا کفر ہے"

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر نفس قرآن میں تنازعہ ہے کہ آیا یہ کلام ربانی ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے یا یہ انسان کا کلام ہے یا اس کے احکام میں شک کرنا مراد ہے، جیسا کہ نضیر بن حارث، ابی بن خلف جو قرآن میں اور دوبارہ زندہ کئے جانے اور قیامت کے مسئلے میں لڑائی جھگڑا کرتے تھے تو یہ کفر صریح ہے اور خدا اس سے بچائے اور اسی طرح اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنا بھی کفر ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا، "من فسرالقرآن برايئه فقد كفر" جس شخص نے بھی اپنی سوچ کے تابع قرآن کی تفسیر کی تو اس نے یقیناً کفر کیا۔ اور بعض محققین نے اس کی توجیہہ کی ہے کہ جو اپنی رائے پر قرآن کو پابند کرتا ہے اور دوسرے معنی اور دلائل نہیں جانتا یا اس ضمن میں لڑائی جھگڑا کرتا ہے اور وہ لوگ جو ایک دوسرے پر خطاکاری، جہالت اور کفر کے فتوے لگا کر ایک دوسرے کو نیچا دکھا کر خوش و خرم ہوتے ہیں اور اپنی غلطی اور نا سمجھی کو جانتے ہوئے حق بات کو نہیں مانتے اور غلط تاویلات اور توجیحات پیش کرتے ہیں تو یہ سب باتیں ان کے کفر کا سبب بنتی ہیں اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

آنسرورؐ نے فرمایا ہے کہ "ان اول ما عهد الي ربي فنهانی عنه بعد عبادة الاو ثان و شرب الخمر ملاحات الرجال" سب سے پہلی چیز جس سے بت پرستی اور خمر نوشی سے ممانعت کے بعد اللہ نے منع فرمایا وہ لوگوں کے درمیان تنازع اور دشمنی پیدا کرنا تھی۔ پس جب مطلق تنازعہ اور دشمنی کا یہ حشر ہے تو

قرآن کے ضمن میں تنازعہ اور دشمنی پیدا کرنے کا کیا حشر ہوگا۔

ربنا اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم و لاالضآلين۔ صراط مستقیم نبیوںؑ، صحابہؓ اور ان کے تابعینؒ کا راستہ ہے اور انہوں نے قرآن کے ضمن میں نہ لفظاً اور نہ معناً کوئی تنازعہ کھڑا کیا اور معتمد في المعتقد میں آیا ہے کہ کبھی بھی مسلمانوں نے اپنے اپنے دور میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا اور اسلاف بھی اس بات پر متفق تھے کہ قرآن خدا کا غیر مخلوق کلام ہے اور وہ اختلاف کر بھی کیسے سکتے تھے جب خدا نے ایسے شخص کی مذمت کی جس نے بھی یہ کہا [ان هذا الا قول البشر] کہ قرآن انسان کا قول ہے اور اس پر عذاب نازل کیا۔ صاحب بحر آبادی کہتے ہیں کہ بتحقیق شیخ اشعر کا یہ مذہب کہ قرآن لفظاً و معناً قدیم ہے، اس میں نفس قرآن، لفظ قرآن اور ترتیب قرآن شامل ہیں اس میں کسی اور چیز سے مدد نہیں لی گئی۔ شارح صادقیہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے بھی خدا سے سنا اس نے بغیر حروف، آواز اور ترتیب کے سنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو آلات کی محتاجی نہیں اور وہ ان سے بے نیاز ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام یوسفؒ کے درمیان قرآن کے قدیم و حدوث کے مسئلہ پر چھ ماہ تک لمبی لمبی بحثیں چلتی رہیں اور آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ قرآن کو مخلوق کہنا کفر ہے۔

بابِ ہفتم

کسب و طلبِ حلال

اس باب میں کسب و طلب حلال کے بارہ میں پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : 56

"طلب الحلال فريضة بعد الفريضة"

دوسری حدیث : 58

"دع مايريبك الي مالا يريبك"

تیسری حدیث : 59

"ما اكل احسنا طعاماً قط خيراً من ان ياكل من عمل يديه"

چوتھی حدیث : 61

"التاجر الصدوق لا مين مع النبين و الصديقين و الشهدأ"

پانچویں حدیث : 63

"الحلف منفقه للسلعة و ممحقة للبركةٍ"

پہلی حدیث :

"طلب الحلال فریضة بعد الفریضة"

"کسبِ حلال کی تلاش فریضہ کے بعد فریضہ ہے"

آنحضورؐ کی اس حدیث کے دو معنی ہیں، ایسا کسب تلاش کرنا فرض ہے جس سے رزق حلال میسر آئے یا حلال رزق حاصل کرنا فرض ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے "طلبِ حلال جہاد ہے" یعنی اس کا اجروثواب جہاد کے اجروثواب ایسا ہے۔ چاہیئے کہ کسب اور حاصلِ کسب دونوں حلال ہوں۔ اگر پیشہ حرام ہو جیسے بدکاری، جادوگری، حاکموں کے پاس چُغل خوری، بردہ فروشی، سودخوری وغیرہ تو اس کا حاصلِ کسب بھی حرام ہوگا یا ایسی چیز جو حرام ذریعے سے اختیار کی جائے یا وہ چیز جو خود اپنے نفس کی رو سے حرام ہو، جیسے شراب، خنزیر یا کسی سبب سے حرام بنتی ہو، جیسے غصب کا مال اور چوری کا مال، مطلب یہ ہوا کہ کسب اور حاصلِ کسب دونوں ممنوع نہ ہوں، کہ وسیلہ اور مقصد کے بارہ میں ایک ہی حکم ہے۔ لقمہ اور لباس اطاعت کی قبولیت کی شرط ہیں، جیسا کہ حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ نے روایت کی ہے کہ اگر کسی شخص نے دس درہم کا لباس خریدا ہو اور اس رقم میں ایک درہم حرام ہو تو خدا اس شخص کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک کہ وہ لباس اس کے تن پر ہو۔ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ نے اپنی دو انگلیاں کانوں میں ڈال کر اس حدیث کے حکم کی تاکید پر زور دے کر کہا "میرے یہ دو کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے خود یہ کلام آنحضرتؐ سے نہ سنا ہو"۔

بعدِ فریضہ سے مراد بعدِ ایمان ہے، یعنی ایمان کے بعد حلال کی تلاش فرض ہے تاکہ آپ متقی لوگوں کے گروہ میں شامل ہوں اور آپ کے اعمال قبول ہوں، یہ بات خواہ مبالغہ کے طور پر کہی گئی ہے یا اس سے یہی مراد ہے۔ بہر حال کسبِ حلال ایک فرض ہے جو دینِ مبین کا قطعی حکم ہے کیونکہ پانچوں بناہائے اسلام، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور نیکیاں وغیرہ جن کا فرض ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے، یا کسبِ حلال جو ہمہ وقت تابقید زندگی لازم ہے۔ یعنی جب تک بندہ زندہ رہے کسبِ حلال کی کوشش کرتا رہے تاکہ اسے حلال غذا میسر آئے۔ یہ جان لیجئے کہ تمام کاموں کی بنیاد لقمہ حلال ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ جیسا تو کھائے گا ویسا تیرا عمل ہوگا۔

طعام اعمال کا بیج ہے اور اللہ نے مسلمانوں کو حلال کھانے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ ایسی کسی بات کا حکم نہیں دیتا جس کے کرنے کے لئے انسان میں توفیق اور طاقت نہ ہو، اس لئے یہ ثابت ہوا کہ حلال ہر زمانے میں اور ہر حال میں موجود رہتا ہے۔ یہ زمین نیک لوگوں اور اولیاء اللہ سے خالی نہیں جن کی غذا صرف حلال ہے۔ یہ سوال کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا؟ اس کا انحصار آپ کے علم پر ہے نہ کہ خدا کے علم پر،

جو چیز کسی شخص کے علم وفہم کے مطابق حلال ہو وہ اس کے لئے حلال ٹھہرتی ہے اور اُس کو اِس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ نصیحتُ المریدین میں فرماتے ہیں کہ زمین کسی لمحہ حلال سے خالی نہیں رہتی اسی لئے خداتعالیٰ نے انبیاء اور مومنوں کو حلال کھانے کا حکم دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ کچھ مقامات پر حلال زیادہ ہو اور کچھ پر کم۔ اسی کتاب کی شرح میں ابو علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا ساری کی ساری خون ہو جائے تو بھی خدا اپنے سچے مومنوں کے لئے حلال موجود رکھے گا جس سے وہ صرف ضرورت کی صورت میں استفادہ کریں گے۔ امام حسن بصریؒ کا قول بھی اس بات کا گواہ ہے کہ بازار میں اگرچہ فساد ہے تاہم تمہیں تو صرف زندہ رہنے کے لئے غذا درکار ہے۔ یہاں پہلی شرط نیت ہے جو حلال کے سوا کچھ اور کھانے کی نہ ہو اور اگر کوئی شخص سمجھے کہ یہ حرام ہے تو اسے ترک کردے اور نہ کھائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے علم کی حد اس حکم کی روح تک پہنچنا شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ جو مال آپ کے سامنے ہو وہ آپ کے علم کے مطابق حلال ہو، واضح اور مخفی شے کا علم صرف خدا کو ہے یہاں تک امام حسن بصریؒ کا قول تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ ایسا دودھ پی لیا جس کے بارہ میں بعد میں اُن کو غلام نے بتایا کہ کسی وجہ سے وہ دودھ حرام تھا، انہوں نے زبردستی قے کی اور کہا کہ خدایا جو میری طاقت میں تھا وہ تو میں نے اُلٹ دیا اور اگر اس میں سے کچھ میری رگ وپے اور خون میں چلا گیا ہے تو مجھ سے بہتر تُو جانتا ہے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ وھم یعلمون کا صیغہ استعمال ہوا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ جیسا جانتے ہیں ویسا کرتے ہیں اس سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ انسان کو صرف اپنے علم کے مطابق درست کام کرنا ہوتا ہے۔ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ، آپؐ پر صلوٰۃ وسلام اگر ہم ایسی جگہ جائیں جہاں ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ میزبان کے گھر میں حلال ہے یا حرام تو ہمارے لئے کیا حکم ہے، آیا ہم اس سے حلت وحرمت کے بارہ میں پوچھیں، تحقیق کریں یا نہ؟ آپؐ نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو اور کھالو کہ حُسنِ ظن رکھنا اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اگر تمہارا غالب خیال یہ ہو کہ یہ چیز حرام ہے تو پھر میزبان سے پوچھ لو اور اگر وہ کہے کہ حلال ہے تو کھالو ورنہ ہاتھ کھینچ لو۔

اور اگر یہ دیکھا جائے کہ آنحضورؐ کے بہت سے صحابہؓ مثلاً اصحابِ صفہؓ جن کی تعداد چار سو (۴۰۰) تھی اور وہ کوئی کام نہ کرتے تھے تو اس بارہ میں کیا کہا جائے گا؟ اس بات کا جواب یہ ہے کہ وہ اطاعت اور یادِ خدا میں مستغرق رہتے تھے اور عیال داری کی قید سے خلاص اور سخاوت کے لوازمات سے فارغ تھے اور جو کچھ موجود ہوتا تھا اسی پر قناعت کرتے تھے کسی سے سوال نہ کرتے تھے اور اعلائے کلمہ دین کے

لئے ہر وقت آمادہ اور کمربستہ رہتے تھے [موتوا قبل انتموا توا] اور خواہ جان بلب ہوں تو بھی ہر غزوہ اور سریہ میں لشکر کے ہمراہ رہتے تھے، ان حالات میں افضلِ عالمؐ نے انہیں حکم کسب نہ فرمایا اور اگر کوئی شخص انہی جیسی صفتوں سے اپنے آپ کو موصوف کرلے تو وہ بھی معذور و مشکور تصور ہو گا، یہ وہ لوگ ہیں جو اغنیاء سے پانچ سو (۵۰۰) سال پہلے جنت میں پہنچ جائیں گے باوجودیکہ جہادِ اول کسبِ حلال ہے لیکن ان کی زندگی کا مقصد تو صرف اعلائے کلمہ دین تھا نہ کہ کچھ اور۔

ابو حازمؓ جنہیں سخاوت اور بخشش بہت زیادہ پسند تھی ان کو آنحضورؐ نے کسب کی تاکید فرمائی تاکہ وہ اپنی سخاوت کی وجہ سے کسی کی بخشیش کے محتاج نہ ہوں، کیونکہ طمع واحتیاج جب ہو گی تو بھیک بھی مانگنا پڑے گی۔ کہتے ہیں کہ کسی نے ابوالحسن شاذلیؒ سے کہا کہ مجھے کیمیاء گری سکھادیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ کے لئے آسان چیز ہے لیکن اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں ایک یہ کہ انسان باقی سارے لوگوں کو اپنے اغراض کی وجہ سے نظر انداز کرتا ہے اس لئے اسے ان کی طرف سے بھی مایوس ہونا پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ خدا سے یہ طمع رکھنا پڑتی ہے کہ وہ تجھے اتنا کچھ دے جو تیری قسمت کا لکھا نہیں یعنی تو خدا کی بندگی کرنے اور اس کی نیاز بجالانے سے محروم ہو جائے گا۔ سچی کیمیاء توکل ہے۔

اللہ ہمیں توکل نصیب فرمائے۔

دوسری حدیث :

"دع مایریبك الي مالا یریبك"

"جو چیز شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور جو چیز شک میں نہ ڈالے اسے اپنالو۔"

ایمان کے کمال کے تحفظ کے لئے شبہات سے تقویٰ اور پرہیز اختیار کرو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے شبہات سے پرہیز کیا اور اپنے دین [کے تحفظ] کی خاطر غیر دین سے چھٹکارا حاصل کیا اور دوسروں کے معاملات سے بیزاری اختیار کی اور شرعی عیبوں سے بچا اور اس نے اپنے دل کو دھڑکنوں اور خوف سے محفوظ رکھا تو وہ کسی شبہ میں گرفتار نہیں ہو گا۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ جو دل پاک ہوتے ہیں وہ شبہات کی وجہ سے دکھی اور بے قرار رہتے ہیں لیکن زنگ آلود دلوں کی کیا بات ہے وہ تو مر چکے ہوتے ہیں اور کسی چیز سے ان کو ڈر نہیں ہوتا وہ آگے جا تے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک متقی

کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ اس چیز کو ے کے سینے میں کھٹکا پیدا کرتی ہو اور یہ

بے چینی اور خلش اس وقت محسوس ہوتی ہے بود ہو اور بغیر علامت تردد اور کھٹکا

صرف وسوسہ ہے جس کی پیروی نہیں کی جانا چاہیے

شیخ علی متقی، اپنی کتاب مجمع بین الشریعت و الحقیقت میں لکھتے ہیں کہ بلاوجہ شک کرنا بدگمانی اور سنت کی پیروی کے بغیر مشقت بدعت ہے، جیسا کہ کسی شخص کو ایک دانہ کھجور کا ملا اور وہ شور و واویلا کرنے لگا کہ یہ کس کی ملکیت ہے تو امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑک کر کہا کہ اے مرد اسے کھا لے یہ کیسا اظہار تقویٰ ہے کہ تو ایسے مال کے مالک کا متلاشی ہے جس مال کی کوئی وقعت ہی نہیں اور جس کا مالک اس کو تلاش ہی نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں تو رخصت موجود ہے۔

عزیمت تو ایسے ہوتی ہے جیسے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو ایک روٹی کا ٹکڑا زمین پر پڑا ملا وہ انہوں نے اپنے غلام کو دے کر کہا کہ وہ اسے روزہ کھلنے کے وقت ان کو دے جب دوسری روٹی پک کر تیار ہوئی تو وہ ٹکڑا غلام نے کھالیا اور افطاری کے وقت جب ابنِ عمرؓ نے اس سے وہ ٹکڑا مانگا تو غلام نے کہا کہ چونکہ تازہ روٹی تیار ہو گئی تھی لہذا وہ ٹکڑا تو میں نے کھالیا اس پر عبداللہؓ بن عمرؓ نے کہا کہ جو کوئی زمین پر پڑا روٹی کا ٹکڑا کھاتا ہے تو خدا اس کی بخشش فرماتا اور اسے عذابِ آخرت سے آزاد کرتا ہے، چونکہ تجھے خدا نے آزادی بخش دی ہے لہذا چاہیئے کہ میں بھی تجھے آزاد کردوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس ممانعت کا اوپر ذکر ہے وہ افراط و تفریط کی بنیاد پر ہے نہ کہ تقویٰ کی بنیاد پر۔

کتاب الاشباہ والنظائر میں ہے کہ وہ لوگ جو دکھاوے کے لئے تقویٰ تقویٰ کرتے ہیں ان کے لئے تعزیر ہے۔

تیسری حدیث :

"ما اكل احسنا طعاماً قط خيراً من ان ياكل من عمل يديه"

"کسی شخص نے کبھی اس کھانے سے بہتر کھانا نہ کھایا ہو گا جو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی کمائی سے کھایا ہو"

یدیہ، یعنی اپنے دونوں ہاتھوں سے کمائی اس بات کی دلیل ہے کہ ہاتھ کا کسب خود انبیاءؑ و اولیاء کی سنت ہے، جیسا کہ حضرت آدمؑ پارچہ باف تھے، حضرت ابراہیمؑ زراعت اور پارچہ فروشی کرتے تھے، حضرت ادریسؑ درزی تھے اور جس شخص نے قلم سے پہلی لکیر کھینچی وہ آپؑ ہی تھے، حضرت نوحؑ بڑھئی کا کام کرتے تھے اور حضرت صالحؑ قالین بافی کا کام کرتے تھے،

حضرت داؤدؑ زرہ بناتے تھے کہتے ہیں کہ جب وہ بادشاہ ہوئے تو بھیس بدل کر اپنی شناخت چھپا لیتے اور لوگوں سے پوچھتے کہ داؤدؑ کیسا آدمی ہے، اس میں کیا عیب اور کیا ہنر ہیں؟ ہر کوئی ان کے بارہ میں بھلائی اور شکر گذاری کا اظہار کرتا، ایک روز اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ انسان کی صورت میں بھیجا اور جب آپؑ نے اس سے یہی سوال کیا کہ داؤدؑ بادشاہ کیسا آدمی ہے؟ تو اس نے کہا کہ اس کی نیکی اور خوش خلقی کے کیا

کہنے، کاش وہ بیتُ المال سے اپنے اہل و عیال کا نان نفقہ نہ لیتا! آپؑ نے بارگاہ خداوندی میں بہت گریہ وزاری کی کہ مجھے کوئی کسب سکھائیے تاکہ میں اس کے ذریعے اپنے گھر والوں کے لئے نان نفقہ پیدا کر سکوں، خدا تعالیٰ نے آپؑ کو زرہ بنانے کا علم عطا فرمایا۔ وہ فی زرہ چار سو (۴۰۰) درہم [دینار] میں بیچتے تھے اور جو کچھ ان کے اہل و عیال سے بچتا وہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتے اور جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے گھر میں اسی (۸۰) زرہ موجود تھیں، دنیا میں پہلی زرہ بنانے والے حضرت داوٗدؑ ہیں ان سے پہلے لوگ تختوں کی طرح کی چیز بناتے اور لڑائی میں اس کے پیچھے پناہ لیتے۔

حضرت سلیمانؑ زنبلیں بناتے اور حضرت عیسیٰؑ جوتے بناتے تھے۔ خاتم الانبیاءؐ بعثت سے پہلے گلہ بانی کرتے اور یہ شُغل تو تمام انبیاءؑ کا رہا ہے۔ نبوت کے بعد آپؐ گھر کا کام کرتے، مویشی دوھتے، جوتے اور کپڑے مرمت فرماتے اور جہاد کرتے، سب سے بڑا کسب جہاد ہے، اس کے بعد بوجودِ اختلاف تجارت و زراعت اور پھر صنعت۔ اصحابؓ اور تابعینؒ سے منسوب پیشے تو مشہور و معروف ہیں۔ احیاء العلوم اور عین العلم میں کہا گیا ہے کہ جس شخص کا پیشہ نہیں وہ بھکاری ہے، اللہ ہمیں ایسی صورتحال سے بچائے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ پیشے پر زور دینے سے توکل کی نفی ہوتی ہے۔ مثنوی معنوی میں ہے

گر توکل خواہی تو دو کار کن — کسب کن و تکیہ بر جبار کن

اگر تو توکل چاہتا ہے تو دو کام کر — ایک پیشہ اختیار کر اور دوسرے خدا پر تکیہ کر۔

کسب انسان کو محتاجی سے بچاتا ہے، اس کی حالت پر ستر کا کام دیتا ہے اور اس کے ہاتھوں مخلوقِ خدا کو نفع اور آزادی ملتی ہے وغیرہ۔ اپنے ہاتھ سے کرنے والے کام جیسے تجارت وغیرہ میں احتیاط لازم ہے۔ پیغمبرؐ فرماتے ہیں کہ سچ بولنے والا اور امانتدار تاجر پیغمبروں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ اس لئے سچ بولنا امانتیں بجا لانا اور کاروبار میں سود اور حرام خرید و فروخت سے پرہیز کرنا لازم اور واجب ہے۔ اسی لئے امیر المومنین حضرت فاروقؓ تاجروں کی درہ سے پٹائی کرتے تھے کہ پہلے تم تجارت کے معاملات کو سمجھ لو اور اس کے بعد تجارت کرو تاکہ تم سود خوری میں نہ پڑ جاؤ اس کے بعد وہ آیۂ کریمہ ربا و ربو تا آخر کی تلاوت کے بعد فرماتے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی ہم آنحضورؐ سے تحقیق نہ کر سکے۔ پس ہمیں رباء اور رباء نما معاملات سے بچنا چاہئیے اور مضاربہ کرنے والوں کے لئے احتیاط برتنے کی تو اور زیادہ تاکید ہے۔

دوسرے کی زمین میں مزارعت کرنے کے بارہ میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی بالشت بھر زمین پر ناجائز قبضہ کرے گا تو قیامت کے دن اس قدر زمین کے سات طبق اس کی گردن میں ڈالے جائیں گے اور اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ انہیں اٹھا کر میدان حشر میں پہنچائے۔

شرائط مزارعت کے جواز میں اختلافات کی وجہ سے مزید الجھنیں ہیں اور بعض اوقات نا سمجھی

میں بھی ایک دوسرے کے حقوق میں تجاوز ہو جاتا ہے، اگر کسی کا حق باقی رہ جائے تو اس کی طرف سے خدا دعویدار ہوتا ہے اور ان حقوق میں مشکلات کے پیشِ نظر روزِ قیامت ان کے بوجھ کی شدت برداشت کرنے کی بہت سخت تنبیہ ہے اور اس دن تو انسان انہیں حقدار تک پہنچانے یا معافی طلب کرنے سے بھی معذور ہو گا اور اس میں اگر غلاموں اور حصہ داروں کی طرف سے غلطی ہو جائے تو وہ بھی قابلِ معافی نہیں۔

اسی طرح صنعتوں میں بھی ملازموں اور غلاموں کے ہاتھوں کام میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور معیار میں فرق پڑ جاتا ہے اور وعدہ خلافی زیادہ ہو جاتی ہے۔

جب تک کوئی شخص معاملہ کو سمجھنے والا، اپنے ہاتھ سے کام کرنے والا اور احتیاط کو ملحوظ رکھنے والا نہ ہو تو وہ اپنے پیشے کے فرائض کو درست طور پر ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنی ذمہ داری سے عہدہ براء ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حجة الاسلام امام محمد غزالیؒ نے کہیں سے سنا کہ فلاں مقام پر ایک ایسا نیک آدمی رہتا ہے جو ہر وقت اپنے کام میں مشغول رہتا ہے۔ آپ اسے دیکھنے کے لئے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ اس کے ملازم ہل جوت رہے ہیں اور وہ خود بیج ڈال رہا ہے، جب اس نے امام کو دیکھا تو کام چھوڑ کر ان کے پاس آ بیٹھا، وہ دونوں اس طرح کچھ وقت بیٹھے رہے، اس پر ملازم نے آ کر کہا ”جب تک آپ اِس مجلس میں مشغول ہیں بیج مجھے دے دیجئے تاکہ میں تخم ریزی کر لوں“ لیکن اس شخص نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ امام نے سبب انکار پوچھا تو اس نے کہا ”میں تو نیک نیتی سے وضو کر کے، ذکرِ حق کرتے ہوئے اور احتیاط برتتے ہوئے بیج بوتا ہوں خدا جانے یہ لوگ کیسے ہوں“، امام نے ان کے طریقِ کار اور ان کی باتوں کو پسند فرمایا۔

بحواله منهاج العابدين۔

چوتھی حدیث :

”التاجر الصدوق لا مين مع النبين و الصديقين و الشهدأ“

”سچا اور ایماندار تاجر، قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔“

تجارت میں اوصافِ حمیدہ بہت سے ہیں، مثلاً رفقاء کار کی امداد کرنا، خرید و فروخت میں احسان برتنا، قرضِ حسنہ دینا، حقوق طلب کرنے میں ڈھیل دینا اور حسنِ سلوک کرنا اور انہیں ادا کرنے میں جلدی کرنا، معاملاتِ بیع کو رباء اور غبن سے پاک رکھنا اور اپنے شریکِ کار کو خوش رکھنا اور مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنے میں جلدی کرنا، تنگ دست مقروض کو معاف کرنا یا اس کے ذمہ قرض کو کم کرنا۔ غلہ اور دوسری چیزوں میں آمیزش اور ملاوٹ سے بچنا، ناپ تول میں خیانت نہ

کرنا، مسلمان کے سودے پہ سودا نہ کرنا اور بیع میں اگر سچی بھی ہو تو قسم نہ کھانا، کیونکہ اس سے برکت اُٹھ جاتی ہے اور جو چیز بیچی جا رہی ہے نہ اس کی تعریف کی جائے اور نہ اس کی مذمت کیونکہ یہ بات بدگوئی اور جھوٹ کا سبب بنتی ہے اور مسلمانوں کے لئے اسی چیز کو پسند کرنا جسے اپنے لئے پسند کیا جائے۔

جو چیز بیچی جا رہی ہے اس کے نقص ظاہر کئے جائیں اور بغیر تردّد کے اقالہ اور فسخِ بیع کو قبول کرنا چاہیئے۔ روایت ہے کہ امامِ اعظمؒ کی دکان میں ناقص سامان تھا اور انہوں نے وہ نقص اپنے شریکِ کار کو دکھا کر کہا تھا کہ وہ بیع کے وقت خریدار کو یہ نقص بتا دے، لیکن جب وہ بیچنے لگا تو اس سے بھول ہو گئی اور اس نے نقص خریدار پر ظاہر نہ کیا اور اس سے حاصل شدہ رقم بھی دوسری رقم میں ملا دی۔ جب امام کو پتہ چلا کہ وہ سامان فروخت ہو چکا ہے تو انہوں نے شریکِ کار سے پوچھا "کیا خریدار کو وہ عیب بتا دیا تھا یا نہیں؟" اس نے کہا "میں تو بھول گیا اور کچھ بھی نہ کہا"، تو انہوں نے کہا "وہ رقم کہاں گئی" اس پر وہ کہنے لگا "وہ تو میں نے تجوری میں ڈال دی ہے"، انہوں نے وہ ساری رقم منگوائی اور کہا "مجھے کیا یقین کہ وہ کون سے سکے ہیں" اور ساری کی ساری رقم آپ نے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دی تاکہ ان کا باقی سارا مال شبہ سے پاک ہو جائے۔

ایک آدمی نے امام سے کپڑے خریدے، بعد میں وہ انہیں واپس کرنے آ گیا اور فسخ واقالہ کے لئے کہا تو آپ نے اسے بغیر حیل وحجت قبول کر لیا اور دکان کا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیا یہ فرماتے ہوئے کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ اگر کسی سے طلبِ فسخ واقالہ کیا جائے اور بیچنے والا اسے بغیر تکرار قبول کر لے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخشتا ہے اور اس کی بھول چوک معاف فرماتا ہے۔ پس جو چیز مجھے مطلوب تھی وہ حاصل ہو گئی۔ لہٰذا تجارت کے مسئلے میں اخلاقِ حمیدہ پر قائم رہنا اور بُری خصلتوں سے بچنا لازم ہے۔

صدقہ اور امانت ایسی دو خصلتیں ہیں جن کے بارہ میں اہتمام کا حکم کافی مرتبہ آیا ہے اور یہ دونوں عام طور ہونے والی برائیوں کا توڑ ہیں۔

نفاق کی علامتیں جو حضورؐ نے بتائی ہیں تین ہیں۔

منافق ۱۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۲۔ وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے

اور ۳۔ امانت دو تو اس میں خیانت کرے

اسی لئے سچے اور امین کو مبالغے کے صیغہ سے یاد کر کے ان کے رتبہ کی بلندی ظاہر کی گئی ہے۔ بدین مراد کہ وہ ان دو خوبیوں کو اختیار کرنے میں محکم اور ہمہ وقت آمادہ اور سنجیدہ رہیں تاکہ انہیں انبیاء، صدیقوں اور شہیدوں کی معیت حاصل ہونے کا اونچا مرتبہ مل سکے۔

پانچویں حدیث:

"الحلف منفقه للسلعة و ممحقة للبركةٍ"

"قسم تجارتی سامان کو مقبول بنانے کے لئے کھائی جاتی ہے مگر یہ برکت کو زائل کرنے کا سبب بنتی ہے"

لہٰذا چاہیئے کہ لوگ اپنے مال کو قسم کے ذریعہ رواج نہ دیں، خواہ یہ قسم سچی ہی کیوں نہ ہو اور اگر قسم جھوٹی ہو تو اس سے دروغ حلفی کا ارتکاب ہوتا ہے جو نحوست اور بدحالی کا باعث بنتی ہے، ہمارے علماء کے نزدیک اس کا کوئی کفارہ اور علاج نہیں، بلحہ یہ تو پُورے ملک کے لئے خرابی کا باعث بنتی ہے۔ اگر سچی بھی ہے تو قسم کھانا بری بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عزت والا نام خسیس دنیاوی مال کو مقبول بنانے کے لئے بطور آلہ استعمال کیا گیا ہے اور بے ضرورت قسم اٹھانا بھی بری بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لا تجعلو الله عرضةً لايمانكم"

"خدا کے نام کو بہانہ اور آلہ کار کے طور پر استعمال نہ کرو بلحہ ایسا تم اپنے نام کے ساتھ کرو"۔

تفسیرِ جلالین میں آیا ہے کہ " بان تكثرو و الحلف به " خدا کے نام کو آلہ کار بنانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ذریعے تم اپنی قسم کا وزن بڑھانا چاہتے ہو۔ بُستان فقہ سے نقل کرتے ہوئے مفاتیح الجنان میں کہا گیا ہے کہ اپنے مال کو نمائش کرتے اور پیش کرتے وقت درود پڑھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ محمدؐ سب سے پاکیزہ دولت ہیں ایسا کرنا اور اپنے نفع کے لئے سوگند غموس اٹھانا کفر کی جانب لے جاتا ہے۔ اللہ اس سے پناہ دے کیونکہ یہ گناہِ کبیرہ ہے۔

گناہ کو حلال سمجھنا اور اسے کوئی اہمیت نہ دینا کفر ہے اور جو یہ بات کہتے ہیں کہ قسم تو خلوص کا سبب بنتی ہے اور یہ کہ تجربہ سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے تو ان کے لئے (یہ کہا جاتا) ہے کہ ایک مسلمان بھائی کو خوش کرنے کے لئے یا ضرورت کے وقت یا تبرکاً قسم اٹھائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ محبت اور عزت کے لئے اس کی قسم کھائی جائے لیکن یہ کبھی کبھی ہونا چاہیئے نہ کہ عادت کے طور پر یا اپنے مال کو رواج دینے کے لیے۔

اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (خدا ان پر اور ان کے والدؓ پر راضی ہو) سے روایت ہے کہ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ جس وقت تو مجھ سے خوش ہوتی ہے تو بھی میں جانتا ہوں اور جب ناراض ہوتی تو بھی میں سمجھ جاتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ کیسے اور کس طرح آپؐ یہ معلوم کر لیتے ہیں۔ تو انہوںؐ نے فرمایا کہ جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے تو کہتی ہے "لا ورب محمدؐ" اور جب تو مجھ سے خفا ہوتی ہے تو کہتی ہے "لا ورب ابراهيمؑ"، تو میں نے کہا کہ بالکل یہی بات ہے لیکن یا رسولؐ اللہ میں خدا کی قسم اٹھاتے وقت آپؐ کا نام صرف زبان سے نہیں لیتی لیکن ایسے میں میں آپؐ کی ذات کو اپنے دل سے تو نہیں بھلاتی۔

حضورؐ سے ساری زندگی میں اسی (۸۰) مرتبہ قسم کھانے کی روایت کی گئی ہے اور تین کا حکم قرآن مجید کی رُو سے وارد ہوا، جیسے کہا گیا "کہو مجھے اپنے رب کی قسم" "ای وربی" جیسا کہ سورۃ یونس میں ہے اور دوسرے "قل بلیٰ وربی" جیسا کہ سورہ سبا میں ہے اور تیسرے "قل بلیٰ وربی" جیسا کہ سورۃ تغابن میں ہے اور ان تینوں آیاتِ کریمہ میں قسم اس لئے اٹھائی گئی ہے کہ قیامت کے واقع ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہ رہے۔

بابِ ہشتم

علم

اس باب میں علم کے بارہ میں پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : 66

"طلب العلم فريضة على كل مسلم"

دوسری حدیث : 68

"انما شفاء العي السوال"

تیسری حدیث : 69

"مثل علم لا ينفع به كمثل كنز لا ينفق منه فى سبيل الله"

چوتھی حدیث : 71

"من كذب على متعمد افليتبو ء مقعده من النار"

پانچویں حدیث : 73

"اطلبوا العلم و لو بالصين"

پہلی حدیث :

"طلب العلم فریضة علی کل مسلم"

"علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"

اس ضمن میں علماء اور مشائخ کے مختلف اقوال ہیں کہ علم سے کون سا علم مراد ہے۔ ہر گروہ نے اسی علم کو موضوع بنایا جو اس سے متعلق ہے۔ اور اسی کے مطابق وہ دلائل لے کر آتے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں اس سے مراد علمِ توحید ہے جو ذاتِ خداوندی سے روشناس کرانے اور اس کی صفات سے متعارف ہونے کے لئے مفید ہوتا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ علم سے مراد خرید و فروخت، نکاح اور طلاق کے مسائل کو جاننا ہے کہ جب وہ پیش آئیں تو وہ ان سے آگاہ ہو، لہذا اسے ان کا علم حاصل کرنا چاہیئے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد علمِ حلال ہے کیونکہ حلال کھانا فرض ہے، لہٰذا اس کا طلب کرنا بھی فرض ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں اس سے مراد علمِ باطن طلب کرنا ہے، جو صالحین، علماء، اصحابِ یقین، عبادت گذاروں اور مقربینِ خدا کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، جو علم کے متلاشیوں کو اپنے طریقے کی طرف جذب کر کے انہیں سیدھا رستہ دکھاتے ہیں، کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ بعض لوگ اس مؤقف پر ہیں کہ اس سے مراد ہر شخص کا اپنے مخصوص حالات کے بارہ میں احکام کو جاننا فرض ہے، جو اس کے اور اس کے پروردگار کے درمیان دنیا اور آخرت میں پیش آنے والے ہیں۔ اور یہ قول اکثریت کے اس قول سے مطابقت رکھتا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ علم جو مسلمانوں کے لئے ان کے اپنے حالات میں ضروری ہے، یعنی جونہی کوئی شخص اسلام میں داخل ہوا تو اس پر واجب ہو گیا کہ وہ ذات صانع اور اس کی صفات کا علم حاصل کرے، کیونکہ اس کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ یہ علم فرشتوں کے احوال، آسمانی کتابوں، انبیاء، قیامت اور تقدیر پر مشتمل ہے جو ایمان کا لازمہ ہیں۔

ملائکہ کے بارے میں خلاصۂ علم یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اس کی نافرمانی نہیں کرتے، ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا، وہ کفر کا رستہ اختیار نہیں کرتے اور حکم خداوندی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ابلیس جس نے نافرمانی کی وہ جنات میں سے تھا، وہ اطاعت و عبادت کرتے کرتے ملائکہ کی صف میں آیا، لیکن پھر اپنی اصل کی جانب لوٹ گیا۔

آسمانی کتابوں کے بارے میں علم کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری سچی اور برحق ہیں وہ جھوٹ کے شائبہ تک سے بھی مبرّا ہیں۔ ایسی کتابوں کی تعداد ۱۰۴ ہے۔ ان میں سے عظیم ترین اور مشہور کتابیں چار ہیں، تورات، زبور، انجیل اور قرآن اور ان سب کو سچا ماننا واجب ہے، لیکن عمل کرنا صرف قرآن پر واجب ہے باقی کتب پر نہیں۔

انبیّاء کے بارے میں یہ علم ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں تا کہ وہ انہیں حق کی طرف جانے والا راستہ دکھائیں اور اپنی ترتیب نزول کے لحاظ سے اوّل آدمؑ ہیں اور آخری محمد رسول اللہؐ ہیں۔ ان سب کی بلا تفریق تصدیق کرنا اور انہیں صادق ماننا سب پر واجب ہے لیکن عمل خاتم الانبیّاء کے حکم پر کرنا ہے۔ اور آپؐ کی معرفت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ آپؐ کے والدین اور جدِ امجد کا نام بھی معلوم ہو، لیکن یہ جاننا واجب ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر نہیں آئے گا اور حضرت عیسیٰؑ جو نزول فرمائیں گے تو وہ بھی خاتم النبینؐ کے دین مبین کے تابع ہوں گے۔

احوالِ قیامت، موت کے بعد اٹھائے جانے، جزاء اور خیر و شر کا علم طلب کرنا جس طرح کہ قرآنِ مجید ان کے بارے میں کہتا ہے اور صحیح احادیث اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں کہ وہ حق ہیں اور ان کو بلاشک و شبہ تسلیم کرنا فرض ہے۔ اور جب نماز کا وقت آجائے تو احکامِ نماز کا جاننا بھی واجب ہے، اسی طرح علمِ زکوٰۃ، روزہ، حج ہر فرض کی ادائیگی کا وقت معلوم کرنا واجب ہے اور اگر کوئی شخص ایمان لائے اور وہ فرض کی ادائیگی کا وقت آنے سے پہلے مر گیا تو گناہگار نہ ہوگا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علم دل کا معاملہ ہے اس سے مراد علم اخلاص اور گناہوں فریب کاریوں، لغزش کی تباہ کاریوں اور دلوں کی ماہیت کو جاننا ہے کہ اخلاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے۔ [وما امروا الا یعبد واللّٰہ مخلصین له الدین]۔

جھوٹ، غرور، بدکاری اور خواہشات نفسانی اس خلوص کی بنیاد کو تباہ و برباد کرتی ہیں جو اللہ کی طرف سے فرض قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کے بغیر انسان فرائض تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ لامحالہ اس کا علم ہی فرض بنتا ہے اور اکثر لوگوں کی ہلاکت معاملات قلبی سے جہالت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص بزرگی اور علم سے موسوم بھی ہو جائے لیکن اسے مذموم عادات مثلاً کبر، غرور، ریاء، حسد، لالچ، شہرت، بناؤ سنگھار اور طویل خواہشات جو قول و عمل کے درمیان رکاوٹ اور دیوار ہیں کا علم نہ ہو تو ایسا شخص عالم نہیں ہوتا بلکہ ہلاکت میں جا پڑتا ہے اور اسبابِ ہلاکت کو جاننا اور ان سے پرہیز کرنا دونوں واجب ہیں۔ حجۃالاسلام اور صاحبِ عینُ العلم کا میلان اسی طرف ہے۔

ابو طالب مکیؒ کہتے ہیں کہ وہ علم جسے فرض قرار دیا گیا اسلام کی پانچ بنیادوں کا علم ہے جسے حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے اور علم توحید اور علم اخلاص بھی اس میں شامل ہیں، کیونکہ ان پانچ بنیادوں میں سے پہلی بنیاد شہادتین ہے جو توحید کا بیان ہے اور اخلاص اسلام کا لازمہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ طلبِ علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور ہر مسلمان مخلص ہے۔ لہذا کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اخلاص سے لاعلم رہے۔ اس بارے میں بہت سے اقوال ہیں، جن کو اکٹھا کرنا

مشکل ہے لیکن قدوۃ السالکین، شیخ الشیوخ، شیخ شہاب الدینؒ سہروردی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں جامع بات یہ ہے کہ وہ علم جس کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے وہ امر و نہی کا علم ہے، یعنی امر جس پر عمل کر کے ثواب ملے گا اور جس کو پس پشت ڈالنے سے عذاب ہوگا اور نہی یعنی جس کے کرنے سے عذاب ہوگا اور اس کے ترک کرنے پر ثواب ملتا ہے اور مامورات اور منہیات میں سے کچھ ایسی ہیں جو حکم اسلام کی رُو سے ہر وقت بندہ پر فرض ہیں، جیسا کہ اعتقاداتِ اسلامی کی رُو سے عمل کرنا یا ان سے باز رہنا لازم ہے۔ اور کچھ وقتی اور ہنگامی جن کے پیش آنے پر ان پر عمل کرنا یا ان سے رک جانا مسلمان کے علم میں ہو جیسے فروعاتِ شرعی اور کاروباری معاملات جو دائمی اور مسلسل پیش آنے والے معاملات ہیں ان کے بارہ میں اسلامی احکام کا جاننا واجب ہے اور یہ دائمی ضرورت ہے اور جو باتیں وقتی اور ہنگامی طور پر پیش آتی ہیں ان کے امر و نہی کے بارہ میں علم کو تازہ رکھنا بھی فرض ہے۔ اور کسی مسلمان کو یہ بات نہیں سجتی کہ وہ اُن کے پیش آنے پر اُن کے بارہ میں یہ کہے کہ وہ جانتا نہ تھا۔ اور شیخ الشیوخؒ کہتے ہیں یہ توجیہہ دوسری توجیہات کے مقابلہ میں زیادہ عام ہے۔

دوسری حدیث :

"انما شفاء العي السوال"

'جہالت اور نادانی کا علاج داناؤں سے استفسار کرنے کے بغیر ممکن نہیں"۔

اس حدیث کی شانِ ورود یہ ہے کہ ایک صحابیؓ جو مضروب تھے انہیں احتلام ہوا تو انہوں نے دوستوں سے پوچھا کہ اگر اجازت ہوتی تو میں تیمم کر لیتا۔ دوستوں نے کہا تمہیں اجازت نہیں کیونکہ تجھے پانی میسر ہے۔ مجبوراً اُس نے غسل کیا اور مر گیا۔ جب یہ بات آنحضرتؐ نے سنی تو فرمایا کہ اِن لوگوں نے اُسے قتل کیا ہے لہذا انہیں خدا قتل کرے گا کیونکہ وہ جس بات کو نہیں جانتے تھے انہوں نے اس بارہ میں کسی اور سے کیوں نہ پوچھا کہ جہالت اور نادانیوں کی بیماریوں سے چھٹکارا اور تندرستی اور صحت صرف داناؤں سے استفسار کرنے میں ہے۔ یہاں سے اس کلام کا جواز اور سند میسر آتی ہے۔

اسی طرح اُس آدمی کے لئے بھی سرزنش ہے جو بلا تحقیق فتویٰ جاری کرتا ہے اور لاعلمی پر مبنی جواب دیتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو آگاہ رہو کہ جو کوئی علوم میں سے کسی بات پر دسترس رکھتا ہو وہ لوگوں کے سامنے بیان کرے اور جو نہیں جانتا اسے کہنا چاہیئے کہ خدا بہتر جانتا ہے اور جو شخص بھی ذاتی اغراض کے پیشِ نظر حق کو باطل بنا کر پیش کرتا ہے اس کا یہ فعل تکبر اور خدا کے معاملات میں شرک کے برابر ہے۔ اللہ بچائے اس سے جو خدا کے معاملات میں حق کو باطل اور اس کے باطل کو حق

بناتا ہے۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ وہ بہشت تک نہ پہنچیں گے اور اللہ کی رحمت کی نظر سے محروم رہیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام ابو حنیفہؒ کے علم کی ایک آدمی کے سامنے بہت تعریف کی۔ وہ امام کے سامنے گیا اور بہت سے مسائل کے بارے میں بات کی، چند مسائل کا تو آپ نے جواب دیا اور اکثر کے بارے میں خاموش رہے، جس پر اس نے پہلے شخص سے کہا کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے بہت سے مسائل پوچھے لیکن اس کے پاس اکثر کا جواب نہ تھا تو اس شخص نے کہا کہ اس کی وجہ ان کے علم کا کمال، تقویٰ اور معاملہ فہمی ہے، جس چیز کے بارے میں انہیں شبہ تھا اس کے بارے میں انہوں نے جواب نہ دیا۔ وہ سب مسائل کی تحقیق کر کے جواب دیں گے تا کہ تو ہلاکت اور خطا کے بھنور میں نہ گھر جائے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے "لا ادري نصف العلم" : "کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا، یہ علم کا پچاس فیصد ہے" اور ایسا کر کے آپ اپنے آپ کو دوسروں کی خطا اور گمراہی سے بچاتے ہیں۔

تیسری حدیث :

"مثل علم لا ينفع به كمثل كنز لا ينفق منه فى سبيل الله"

"علم جو نفع نہ پہنچائے یا جس سے نفع حاصل نہ کیا جائے اس خزانے کی مثال ہے جس میں سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے"

علم اور خزانہ آپس میں ملتے جلتے ہیں اس لئے علم کے نفع اور نقصان کو خزانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ علم وہ خزانہ ہے جسے فنا نہیں اسی طرح جیسے خزانے سے اگر محتاجوں پر فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے تو اس کا ثواب عظیم ہے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ سخی اللہ کا دوست ہے خواہ وہ فاسق ہو اور اسے جنت میں مروارید کا ایک محل ملے گا، بھوکے کو کھانا کھلانا اور ننگے کو لباس پہنانا جنت کی نعمتوں اور محلات میں اضافہ کا باعث بنے گا، اگر ایک درہم بھی قبول ہو جائے تو عالمِ غیب سے اُسے بڑھا کر کوہِ اُحد کے برابر کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ایسا مسئلہ بتائے جو اس کی ہدایت کا باعث بنے تو قیامت تک جو بھی اس مسئلہ سے مستفید ہوگا تو مسئلہ بتانے والا شخص ایسے تمام لوگوں کے ثواب میں شریک ہوگا۔

روایت ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کو آدھا مسئلہ بتانے سے بھی بخش دیا گیا اور وہ ایسے ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی مر گیا جس کے فوری بعد اس کی بیوہ نے کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا چاہی تو نکاح کے وقت وہ بول اٹھا کہ جب تک عدت پوری نہ ہو نکاح جائز نہیں۔ اس سے پوچھا گیا کہ عدت کی مدت کتنی ہے اس نے کہا عدت کا لحاظ رکھنا لازمی ہے لیکن مجھے اس کی میعاد کا علم نہیں۔ ان لوگوں نے

تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ عدت چار ماہ اور دس دن بنتی ہے۔ چناچہ اسی وقت نکاح کو ملتوی کر دیا گیا۔ اس زمانہ کے نبیؑ پر وحی اتری کہ میں نے اس نصف مسئلہ کے معلم کو بخش دیا ہے کیونکہ اس نے میرے بندوں کو گناہِ کبیرہ سے بچالیا۔

اور جو شخص مال سے انفاق نہیں کرتا اس کی مذمت واجب ہے، جس کے ثبوت میں یہ آیة کریمہ نازل ہوئی ولایحسبن الذین یبخلون بمآاٰتھم اللّٰہ من فضلہٖ ھو خیراً لھم بل ھو شر لھم سیطوفون ما بخلوا بہٖ وہ لوگ جو اس مال میں کنجوسی کرتے ہیں جو انہیں اللہ نے عطا کیا ہے ان کے بارہ میں یہ نہ سمجھ کہ یہ بخل ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لئے بدترین ہے، دنیا میں ان کے مال سے برکت اُٹھ جائے گی اور آخرت میں ان پر ہولناک اور شدید عذاب نازل ہونے میں جلدی ہوگی کیونکہ ان کی گردنوں میں وہ مال بطور طوق ڈال دیا جائے گا، جس میں انہوں نے بخُل برتا اور اس میں سے انہوں نے واجب حقوق ادا نہ کئے اوااس وجہ سے قیامت کے دن ان کی سُبکی اور رسوائی ہوگی۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی مال سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو اُس کے مال کو ایک انتہائی زہریلے اور گنجے سانپ میں بدل کر اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا اور وہ سانپ اس کے دونوں جبڑے پکڑ کر اپنی لعنت ملامت کی زبان کھول کر کہے گا کہ میں ہی وہ تیرا مال ہوں جس پر تو اپنے قریبیوں میں فخر اور ریاء کرتا تھا۔

خزانے کو دل سے اور مال کو آنکھوں سے دور کرو کیونکہ تیرا مال حقیقت میں سانپ اور خزانہ اژدھا ہے۔ اسی طرح جو عالم اپنے علم کی نمائش کرتا ہے یا اپنی نفسانی اغراض کی وجہ سے اس میں بخُل برت کر حق بات کو چھپاتا ہے یا جن لوگوں تک اس کا علم پہنچانا اور ان کی اصلاح اس پر فرض ہے ان تک اپنے علم کو نہیں پُہنچاتا، اس پر شارعؑ کی زبان سے لعنت وارد ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی بات پوچھی جائے جو اُسے معلوم ہو لیکن وہ اُسے چھپالے تو قیامت کے دن وہ علم آتشِ دوزخ سے تیار شدہ لگام کی صورت میں اس کے منہ میں ڈال دیا جائے گا۔ علم کی نشر واشاعت عالم کی استعداد کے متناسب ہوتی ہے، اگر کوئی شخص ترجمانی تاویلات اور قرآن کے نازک مسائل اور احادیث اور روایاتِ آئمہ کے بیان کی استعداد رکھتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ تصنیف و تالیف اور معاملہ سنجی کو اپنائے اور لوگوں تک انہیں پہنچائے کیونکہ اس طرح زیادہ اور وسیع تر نفع حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ ایک شرعی مسئلہ پر غور و خوض کرنا ایسی ہزار رکعتوں پر فضیلت رکھتا ہے جو غرور اور ریاء سے ادا کی گئی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق انسان اہلِ اسلام کی تعلیم میں کوشاں رہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے اہلِ خانہ، اپنی ازواج، اولاد، ملازمان اور جس جس کی اصلاح اس پر واجب ہواُن کو شرعی مسائل بتاتا رہے۔

تعلیم میں احتیاط ضروری ہے، جیسے اس کی اہلیت اور اس کے لئے آمادگی رکھنے والے لوگوں سے تعلیم کو روکنا جائز نہیں۔ اسی طرح نااہل لوگوں کو تعلیم دینا بھی ناروا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ بے ادب کو علم وفن سکھانا، ڈاکو کو ہاتھ میں تلوار دینے کے برابر ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ علم کو ضائع اور ہلاک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے ایسے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ایسے لوگوں کو سکھایا جائے جو اس کے اہل نہ ہوں اور نہ اسے سیکھنے کی تمنا رکھتے ہوں یا علم کو ان لوگوں کے سامنے پیش کرے جو اس کے قابل ہی نہیں اور ایسا کرنا سؤر کی گردن میں موتیوں اور مروارید کا ہار ڈالنے کے برابر ہے۔

روایت ہے کہ ایک نیک شخص درس و تدریس کا کام کرتے تھے، انہوں نے ایک دن دیکھا کہ ان کا ایک شاگرد راستے میں گڑھا کھود رہا ہے اور مٹی اٹھا کر لے جا رہا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اسے تعلیم دینا بند کر دی کیونکہ جو نفس، تعلیم سے اصلاح و تقویٰ اختیار نہیں کرتا اسے علم کا کوئی فائدہ اور برکت نہیں پہنچتی۔ (الاماشاء اللہ)۔

عوارف المعارف میں روایت ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں پہلے علم سیکھ تولوں اس کے بعد اس پر عمل بھی کروں گا تو وہ شیطانوں کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ علم کی اُس حد کو پہنچ ہی نہ سکے اور اس طرح اس نے اپنی عمر اور اپنا وقت ضائع ہی کر دیا۔

اور صحابہؓ اور تابعینؒ کا طریقہ یہ تھا کہ انہیں جو جو مسئلہ بھی سمجھ میں آتا اس پر عمل کرتے جاتے۔

چوتھی حدیث:

"من کذب علیّ متعمد افلیتبو ء مقعدہ من النار" ۔

"جو کوئی مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے اور جو کچھ میں نے نہیں کہا اسے میری طرف سے سند بناتا ہے تو اِسے جان لینا چاہیے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے"

اس سے مراد حضورؐ کی ذات پر جھوٹ باندھنے کی تنبیہہ اور ممانعت ہے کیونکہ یہ متفق علیہ مؤقف ہے کہ ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے، خواہ یہ عذاب سے خوف دلانے اور دین کی طرف رغبت پیدا کرنے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔

امام محمد جوفی جو امام الحرمین کے والد ہیں ایسا کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں اور ایسا کرنے والے کا دائمی ٹھکانہ دوزخ بتاتے ہیں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ کہ دین کے لئے رغبت پیدا کرنے اور عذاب سے خوف دلانے کے لئے ایسا کرنا جائز ہے تو وہ غلطی پر ہیں اور جن جن راویوں سے ایک دفعہ بھی عمداً جھوٹ بولنا ثابت ہوا اور بعد میں اگرچہ انہوں نے توبہ بھی کرلی تاہم ان سے حدیث کی روایت قبول

نہیں کی جاتی تھی۔ باوجودیکہ اگر ایک مرتبہ جھوٹ بولنے والا گواہ آئندہ کے لئے توبہ کرلے اور اس کی توبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں تو اس کی شہادت دوسرے معاملات میں قبول کی جاسکتی ہے لیکن حضورؐ پر جھوٹ بولنے والے شخص کی شہادت کسی صورت میں بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی، کیونکہ حضورؐ کے سارے اعمال و اقوال خدا کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق ہیں۔ اور جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضورؐ نے یوں کہایا یوں کیا تو گویا وہ شخص یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسا کرنے میں اس کی رضامندی شامل ہے، کیونکہ اس رہبرِ انسانیت نے نہ کوئی ایسی بات کہی اور نہ ایسا کام کیا جس کا اللہ نے حکم نہ دیا ہو اور نہ آپؐ نے کبھی بھی خدا کی نہ کہی ہوئی بات کو اس کا فرمان بتایا اور نہ اس کی ناپسندیدہ بات کو اس کی رضا قرار دیا۔ لہٰذا ایسا کرنا بذاتِ خود صریحاً کفر ہے، اللہ ہمیں اس سے بچائے۔ والدِ امام الحرمین کے کلام کا ظاہری مقصد یہی معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

قرآنِ مجید میں اُس شخص کے جواب میں جو بالفاظ قرآن یہ کہتا تھا کہ محمدؐ اپنی طرف سے لکھواتا ہے اور بعد میں کہتا ہے کہ خدا نے ایسے فرمایا، یہ آیۃ نازل ہوئی

"ولو تقول علینا بعض الا قاویل لا خذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین"

"اگر جیسا کہ تمہارا گمان ہے ویسے ہوتا کہ محمدؐ جھوٹ بولتا اور میری طرف سے نہ کہی ہوئی باتیں مجھ سے منسوب کرتا تو میں ہر صورت میں اس سے سمجھ بوجھ کی طاقت واپس لے لیتا اور اس کے دل کی رگیں کاٹ کر اسے ہلاک کر دیتا"

یہ آیت کریمہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے اور اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضورؐ کے قول و فعل میں خدا کے حکم سے نہ کچھ بڑھایا گیا اور نہ گھٹایا گیا جیسا کہ کہا گیا ہے

ہرچہ او گفت گفتۂ حق دان

ہرچہ او کرد کردۂ حق دان

کہ جو کچھ انہوںؐ نے کہا اسے بھی حق مانو اور جو کچھ انہوںؐ نے کیا اُسے بھی۔

کتاب فضل الخطاب میں حسینؒ منصور کے بارے میں ذکر ہے کہ انہوں نے سَرِ دار بڑی عجیب و غریب بات کہی کہ میں جانتا ہوں کہ مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے اور یہ کس کی خواہش ہے، میں اس کی خواہش سے منہ پھیر نہیں سکتا اور اس کا پسِ منظر یہ بیان کیا کہ ایک دن اس کے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت محمد مصطفٰیؐ نے شبِ معراج صرف مومنوں کی شفاعت کی تمنا کیوں کی اور تمام انسانوں کی شفاعت کے لئے خدا سے درخواست کیوں نہ کی اور یہ کیوں نہ کہا کہ سب کو میری وجہ سے بخشش عطا فرما، وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ اسی لمحہ بنفسِ مطہر تشریف لے آئے کہ میں تجھے بتانے کے لئے آیا ہوں کہ میں وہی کچھ

پسند کرتا ہو جو وہ (اللہ) پسند کرتا اور چاہتا ہے۔ مرا دل تو اس کے احکامات کا ٹھکانہ ہے اور اس کے ارادہ و فرمان کے بغیر ہر چیز سے مبرّا ہے اگر اس نے کہا ہوتا کہ تو سب کی بخشش طلب کر تو میں سب کے لئے ایسا کرتا۔ حسینؒ منصور اپنی دستار سَر سے اتار کر گلے میں ڈال کر حضورؐ کے سامنے ندامت سے سَر جھکائے کھڑا ہو گیا جیسے خطاکاروں کا شیوہ ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس حالت میں بھی سر پر پگڑی رکھنا میری خوشنودی کے لئے لازم تھا۔ اس میں ذرہ برابر فرق اور بھول چُوک نہیں اور عاشقِ صادق کا یہی شیوہ ہے اور اس کا سولی چڑھ جانا اسی سبب سے تھا، باقی سب کچھ بہانہ۔ اگر حضورؐ کے بارے میں کوئی اندیشہ اور اعتراض دل میں لانے کی یہ سزا ہے جو حسین منصور کو ملی، تو پھر بتایئے ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے انجام کی قباحت کہاں تک جا پہنچے گی۔ اے اللہ ہمیں اپنی پناہ میں رکھ اور ہمیں ہدایت اور توفیق عطا فرما۔

پانچویں حدیث :

"اطلبوا العلم و لو بالصین"

"علم تلاش کرو خواہ وہ چین میں ہو۔ (علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے) اور وہاں تک جانا چاہیے"

حرمینِ شریفین سے یہ ملک بہت دور دراز ہے۔ آنحضورؐ حکم ربی سے شبِ معراج حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ اعلائے اسلام کے لئے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے پاس پہنچے جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشعؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے فتنہ و فساد اور قتل انبیاؑ اور کفر اور گوناگوں گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ کی خدمت میں درخواست گذار ہوئے کہ انہیں اپنی باقی ساری قوم سے جدا کر دے تو خدا نے ان کی دُعا قبول کرلی اور ان کے لئے زیرِ زمین ایک راستہ کھولا جس کے ذریعے وہ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ملکِ چین پہنچے اور وہیں ٹھکانہ کرلیا۔ جب افضلؐ العالمین ادھر پہنچے اور ان سے گفتگو فرمائی اور انہیں دین کے احکام بتائے تو جبرائیلؑ نے کہا، کہ تم جانتے ہو کہ تم سے کون مخاطب ہے، یہ محمدؐ آخر الزمان ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت موسیٰؑ نے ہمیں بتایا تھا کہ میرے بعد خاتم النبینؐ آئیں گے، ان کی اطاعت قبول کرنا اور میرا اسلام ان تک پہنچانا۔ آنحضرتؐ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہیں قرآن پاک کی دس سورتیں پڑھ کر سنائیں جو اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں وہ اِس پر ایمان لائے، نماز، زکوٰۃ جو اس وقت تک فرض ہو چکی تھیں پوری رغبت سے قبول کیں اور اب تک نیکوکار مسلمان ہیں اور قبلہ رو نماز ادا کرتے ہیں، اپنے مالوں سے زکوٰۃ دیتے ہیں اور یومِ سبت کا احترام ترک کر کے نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں اس وقت تک حج اور روزہ فرض نہیں ہوئے تھے اور چونکہ بعد کی خبریں اُن تک نہ پہنچیں اس لئے وہ اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ تمام مشکلات کے باوجود علم حاصل کرنا لازم ہے اور اس میں کوئی تعطل نہیں آنا چاہیے۔

جیسا کہ آپؐ نے فرمایا "اطلبوا العلم من المهد الى اللحد" "گہوارے سے گور تک علم حاصل کرو" اور خدا تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو وحی فرمائی کہ لوہے کے جوتے اور عصا بنالو اور اس وقت تک علم تلاش کرتے رہو جب تک تمہارے جوتے پھٹ نہ جائیں اور عصا ٹوٹ نہ جائے۔ عبداللہ ابن مبارک سے پوچھا گیا کہ اگر تجھے خدا یہ اطلاع کر دے کہ تو آج کے دن کے اختتام پر مر جائے گا تو اس ایک دن میں تو کیا کرے گا تو انہوں نے کہا میں ہر صورت میں علم تلاش کروں گا کیونکہ خدا نے آنحضورؐ کو ہر چیز عطا فرمائی اور کسی چیز کی مزید طلب کا حکم نہ دیا لیکن اولین وآخرین علم حاصل کرنے کا حکم فرمایا، یہ کہہ کر "قل رب زدنی علماً" "کہہ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کو باقی چیزوں پر کتنا شرف حاصل ہے، بعض داناؤں سے پوچھا گیا کہ کب عمل کرنا نہ کرنے سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ جب علم عمل سے کم ہو کیونکہ بغیر علم کے عمل یا تو حرام ہوتا ہے یا ضائع یا ویران۔

سب سے فائدہ بخش عمل وہ ہے جو علم سے مطابقت رکھتا ہو خواہ وہ عمل کم ہو یا زیادہ اور جو عمل بغیر علم کے کیا جائے وہ کوئی نفع نہیں دیتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔ اسی وجہ سے علم کو حسب پر فضیلت ہے وہ کم ہو یا زیادہ۔ کہا جاتا ہے کہ علمائے باللہ، علمائے احکامِ اللہ سے افضل ہوتے ہیں، اول الذکر کو عرفاء اور اولیاء کہا جاتا ہے اور موخر الذکر فقہا کہلاتے ہیں اسی وجہ سے صحابہؓ کی تابعینؒ پر افضلیت ثابت ہوتی ہے باوجود اس کے کہ فتویٰ صادر کرنے اور احکامِ دین کے بارے میں بعض تابعینؒ زیادہ اعلم تھے۔ یہ علم ہی کی برکت سے تھا کہ ہُدہُد نے اپنی کمزوری اور چھٹ پنے کے باوجود علم کے زور پر حضرت سلیمانؑ کو دلیرانہ جواب دیئے اور وہ ان کے مرتبہ کی عظمت اور ڈرانے دھمکانے اور خوف دلانے سے نہ جھجکا اور یہاں تک کہہ گیا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تو نہیں جانتا اور اس نے ان کی دھمکیوں کی بھی پرواہ نہ کی جو قرآنِ کریم میں اس طرح مذکور ہیں، "لا عذبنه عذاباً شديداً اولا ذبحنه اوليا تيني سلطان مبينٍ" "اگر تو میرے پاس ان باتوں کی برہان نہ لایا تو میں تمہیں سزا دوں گا اور وہ بہت سخت سزا ہوگی یا میں تجھے ذبح کر دوں گا" وہ بلند ہمتی اور وہ حوصلہ جو اس کے کام آئے وہ اس کے علم کی برکت ہی سے تھا۔ یہ حوالہ شرح آداب المریدین سے ہے۔ علم کی یہ شرافت جو اس بحث سے ثابت ہوتی ہے وہ اس پر عمل کرنے اور اس کی اہلیت رکھنے والوں کو سکھانے کی وجہ سے ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ آنحضرتؐ کی اس حدیث کے ضمن میں ہے جس کے راوی حضرت ابو ھریرہؓ ہیں "کون ہے ایسا شخص جو مجھ سے وہ باتیں سیکھے، جواب میں کہنے والا ہوں پھر ان پر عمل کرے اور دوسروں کو سکھائے کہ وہ اس پر عمل کریں اس کے بعد آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور گنتی کر کے

پانچ چیزیں بیان فرمائیں

۱۔ حرام باتوں سے بچو تا کہ بہترین عبادت گذار بن جاؤ، اس سے مراد یہ ہے کہ عبادتوں میں سب سے افضل عبادت حرام سے بچنا ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس ذرہ برابر چیز کو چھوڑ دینا جس کے بارہ میں نہی آئی ہے، جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔ ۲۔ جو کچھ خدا نے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اس پہ راضی ہو جا، تا کہ تو سب سے بڑا تونگر ہو جائے، یعنی تیری محتاجیاں رفع ہو جائیں۔ ۳۔ اپنے ہمسائے کے ساتھ نیکی کر کہ تو مومن کامل بن جائے۔ ۴۔ اور جو کچھ تو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے پسند کر تا کہ تو کامل مسلمان ہو جائے۔ ۵۔ زیادہ ہنسی ٹھٹھول نہ کر کیونکہ یہ دل کو ویران کر کے اُسے سخت بنا دیتا ہے۔"

جس علم پر عمل نہ کیا جائے، وہ علم ضائع ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم بے عمل ایسی کمان ہے جس کا چلّہ نہیں۔ ایسا درخت ہے جسکا پھل نہیں، ایسا بادل ہے جس میں بارش نہیں، ایسی آنکھ ہے جس میں نظر نہیں، ایسا سیپ ہے جس میں موتی نہیں اور وہ دیدہ ہے جو عبرت نگاہ نہیں، ایسا دل ہے جس میں فکر نہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ کہا گیا ہے کہ سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو اُس بات پر عمل نہیں کرتا جسے وہ جانتا ہے اور سب سے افضل انسان وہ ہے جو بندوں کے بارے میں خدا سے ڈرتا ہے اور یہ فتویٰ جاری کیا جانا چاہیے کہ جو عالم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اسے عالم تصور نہ کیا جائے۔

المعارف اور مفاتیح الجنان میں ذکر ہے کہ ابو حفصؒ کبیر سے ایام بیض (چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں) کے روزوں کی فضیلت کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ خاموش ہو گئے اور ایک ہفتہ بعد جب انہوں نے ان کی فضیلت بیان کی تو ان سے پوچھا گیا کہ پہلے ہفتے انہوں نے جواب کیوں نہ دیا تھا تو فرمانے لگے اس پر عمل کرنے کے بعد جواب دینا مناسب سمجھا تا کہ دوسروں پر (میری بات) اس کا اثر ہو اور وہ اسی کے مطابق عمل کریں چونکہ میں نے اس مہینے میں ان دنوں کے روزے رکھ لئے ہیں اس لئے اس کے بعد میں نے (اس مسئلہ کا) جواب دیا ہے اور اگر میں عمل سے پہلے جواب دیتا تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اسی کتاب میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے علم پر عمل نہ کیا اس کی شرمندگی کا حال اس بدکار عورت کی طرح ہے جو اپنی بدکاری کو ہر طرح چھپاتی پھرتی ہے کہ یہ کسی طور کھل نہ پائے حتیٰ کہ وہ حاملہ ہو جاتی ہے اور جو عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا خدا تعالیٰ اس کو روزِ قیامت تمام مخلوقات کے سامنے اسی (عورت کی) طرح رُسوا اور ذلیل کرے گا۔

بابِ نہم

فضائل صحابہؓ

اس باب میں فضائل صحابہؓ کے بارہ میں پانچ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

پہلی حدیث : 77

"مثل اصحابي فی امتی کا لملح فی الطعام و لا یصلح الطعام الا بالملح"

دوسری حدیث : 80

"لا ینبغی لقومٍ فیهم ابوبکرؓ ان یوءَمهم غیره"

تیسری حدیث : 84

"لو کان بعدي نبي لکان عمرؓ بن الخطاب"

چوتھی حدیث : 89

"لکل نبيٍ رفیق و رفیقی فی الجنة عثمانؓ"

پانچویں حدیث : 91

"انا دارالحکمة وعلیؓ بابها"

تنبیہ 99

پہلی حدیث :

"مثل اصحابي فی امتی کا لملح فی الطعام و لا یصلح الطعام الا بالملح"

"میری امت میں میرے اصحاب کا وہی حال اور وہی مقام ہے جو کھانے میں نمک کا ہے اور کھانا نہ تو اس وقت تک فائدہ مند ہوتا ہے اور نہ صحت بخش جب تک اس میں نمک نہ ڈالا جائے۔

امام حسن بصریؒ نے جب یہ حدیث سنی تو فرمایا کہ سچ ہے ہمارا نمک تو اٹھ گیا، اس کے بعد ہم بھلائی کیسے پائیں گے یعنی وہ صحابہ کرامؓ کے گذر جانے سے بہت غم کھاتے تھے۔

صحابیؓ اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حالتِ ایمان میں پیغمبرؐ کو پایا اور وہ دینِ اسلام پر فوت ہوا، خواہ [کچھ وقت] اس صورتحال میں خلل بھی آیا ہو، یا وہ حضورؐ کے زمانے میں بلوغت کی حد کو بھی نہ پہنچا ہو، اس صورت میں، امام حسنؓ و حسینؓ، نعمانؓ بن بشیر، عبداللہؓ بن زبیرؓ، ابی جحفہؓ و عبداللہؓ بن حنظلہ ؓ غُسیل الملئکہ، جو حضورؐ کے وصال کے وقت بلوغت کو نہ پہنچے تھے شاملِ صحابہؓ ہیں۔ ان لوگوں نے حضورؐ سے سن کر روایتِ حدیث کی ہے، اللہ ان پر راضی ہو۔ بعض لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ حضورؐ کی صحبت میں اور ان کے ساتھ وابستگی میں کم از کم چھ ماہ گذارنے والا، ان سے علم حاصل کرنے والا اور ان کے ساتھ غزوات میں شریک ہونے والا صحابیؓ کہلاتا ہے۔ پہلا قول صحیح تر ہے اور یہ باتیں افضلیت کا باعث اور مرتبے کے تعین کے لئے ہیں نہ کہ نفسِ صحبت کے لئے جو عمر بھر میں ایک بار دیدار کر لینے سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ تکمیل الایمان میں بھی اسی طرح کہا گیا ہے۔

درحقیقت آپؐ کے جمال کو ایک نظر دیکھنا، آپؐ کی مجلس میں ایک ساعت بیٹھنا آپؐ کی گفتگو سننا ایسی مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ اور اس مرتبے پر پہنچاتے ہیں جو کنجِ تنہائی کی عبادتوں، چلہ کشی اور سخت ریاضتوں سے بھی میسر نہیں ہو سکتی۔

شرف سادات میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے اولین اور آخرین کا علم بھی پڑھا ہو، خواہ وہ اویس قرنیؒ اور امام اعظمؒ ہوں یا اس نے سونے چاندی سے کوہ احد کے برابر صدقہ دیا ہو تو بھی وہ ایک صحابیؓ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، خواہ وہ صحابیؓ باغی اور خطاکار ہی کیوں نہ ہو۔ روایات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ آنحضرتؐ کا دل سب سے زیادہ پاک اور منور ہے تو اس میں نورِ نبوت ڈالا اور صحابہؓ کے دل کو صاف اور حضورؐ کی صحبت کے قابل پایا تو انہیں اس مقصد کے لئے چُن لیا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے خدا سے اپنے صحابہؓ کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھ پر یہ وحی نازل کی کہ اے محمدؐ! تیرے صحابہؓ آسمان میں ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے کوئی ایک کسی دوسرے سے بڑا اور زیادہ طاقتور ہے لیکن ہر ایک میں نور ہے، جو کوئی بھی ان کے درمیان اختلافی مسائل میں سے کسی ایک سے ہدایت

حاصل کرے گا اور اس پر عمل کرے گا تو وہ میرے نزدیک راہِ راست پر ہوگا۔ اسی بناء پر حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے اور میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جو کوئی بھی ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کرتا ہے وہ سیدھا راستہ پا لیتا ہے۔ یہ بات صحابہؓ کی عظمت بیان کرنے کے لئے کافی ہے جو حضورؐ نے اس حدیث میں فرمائی ہے 'اگر کوئی ان کو دوست رکھتا ہے تو میری چاہت کی وجہ سے ان کو چاہتا ہے اور کوئی ان کو دشمن سمجھتا ہے تو میرے ساتھ اپنی دشمنی کی وجہ سے ان کو بھی دشمن سمجھتا ہے یعنی ان کے ساتھ محبت اور ان کے خلاف کینہ (علی الترتیب) میرے ساتھ محبت اور میرے خلاف کینہ کی وجہ سے ہے'۔

امام زراعہ رازیؒ نے کہا کہ اگر تجھے کوئی ایسا شخص نظر آئے جو صحابہؓ میں سے کسی ایک کو دشمن سمجھتا ہے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے کیونکہ قرآن اور حدیث میں سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ صحابہؓ کی وجہ سے ہی ہے۔ تو جو کوئی بھی ان پر اعتراض کرتا ہے یا انہیں جھٹلاتا ہے تو اللہ کی پناہ! گویا اس نے قرآن و حدیث کو جھٹلانے کا ارادہ کر رکھا ہے اس لئے اس کی زندیقی کا فتویٰ دینا چاہیے کیونکہ اس نقص کا الزام آنحضرتؐ کی طرف لوٹ جاتا ہے کہ ان کے صحابہؓ اور دوست پاک نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ان کا خاتمہ بالخیر تھا۔ اس عقیدے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس لحاظ سے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے۔ پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ تمام صحابہؓ کو عادل اور نیک تصور کرے اور انہیں بُرا بھلا کہنے یا ان پر طعنہ زنی کرنے سے باز رہے اور ان کی شرافت کا دل سے قائل ہو کیونکہ قرآن مجید میں متعدد بار ان کی شان کا ذکر کیا گیا ہے۔

"ولاتطردالذين يدعون ربهم بالغدوة والعشي يريدون وجهه ـ ـ ـ"

"انہیں اپنی محفل سے نہ اٹھاؤ کیونکہ یہ تو اپنے خدا کی صبح و شام مدد طلب کرتے ہیں اور راتوں کو خدا تعالیٰ کی رضا کا ذکر کرتے ہیں اور اُسی سے دعا مانگتے ہیں"

اس سے مُراد نادار اور کمزور صحابیؓ ہیں جن کے ساتھ رؤساءِ قریش بیٹھنے میں عار سمجھتے تھے اور حضورؐ اُن سے التماس کی خاطر یہ چاہتے تھے کہ جب مجلس میں رؤساءِ قریش ہوں تو یہ لوگ نہ آئیں اسی وجہ سے اِس آیت کریمہ کا نزول ہوا اور آنحضورؐ کو انہیں اپنی مجلس میں آنے سے منع کرنے پر نہی کی گئی۔ اور آیت کے آخر میں یہ کہا گیا کہ اگر تو نے انہیں منع کیا تو تُو ظالموں میں سے ہوگا۔ سبحان اللہ انہیں کتنا عظیم مرتبہ دیا گیا اور اللہ نے ان کو منع کرنے کا صرف ارادہ کرنے سے ہی حضورؐ کو تنبیہ کی۔ ایک اور آیت میں فرمایا گیا "واذا جآءَكَ الذين يؤمنون بآيتنا فقل سلام عليكم" "جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو میری آیتوں پر ایمان لائے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہو"

اس سے مراد وہی درویش صحابہؓ ہین جن کو پرے رکھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا۔اس کے بعد ان میں سے جب کوئی حضورؐ کے پاس آتا توآپ اسے سلام کرنے میں پہل کرتے۔ یہ بات توصحابہؓ میں سے ضعفاء کے بارہ میں ہے توصحابہِ کبارؓ کا کیامقام ہوگا۔

ابی صخرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے محمدؓ ابن کعب سے پوچھاکہ آپ کی صحابہؓ کے بارہ میں کیارائے ہے توانہوں نے کہاکہ سارے صحابہؓ اہلِ جنت ہیں خواہ وہ نیکوکار ہیں یا خطاکار تومیں نے کہا تیرے پاس کیاسند ہے تواس نے کہاپڑھو۔

"والسابقون الاولون من المهاجرين والانصاروالذين اتبعوهم باحسانٍ رضي الله عنهم ورضواعنه واعدلهم جناتٍ تجري تحتهاالانهار خالدين فيها ابداً"

صحابہ اور انصار میں سے پہل کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسولؐ خداکوپایااور انہیں اس وجہ سے آپؐ کی صحبت حاصل کرنے میں سبقت حاصل ہوئی اوراُن لوگوں پر جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی جس سے مراد تابعینؒ ہیں جو حضورؐ کی صحبت تونہ پاسکے لیکن تابع اصحابؓ رہے۔خداان سے خوش ہوااور وہ خدا سے خوش۔ان کے لئے پھلدار درختوں کے باغ ہیں جن میں نہریں جاوداں رواں دواں ہیں۔ تابعین کے لئے یہ شرط ہے، کہ اصحابؓ کی اتباع نیکیوں سے مشروط رکھیں نہ کہ سئیات سے۔ جب ابوصخرؓ نے محمدؓ بن کعب سے گفتگو کی توانہوں نے کہاکہ میں تو سمجھتاہوں کہ گویامیں نے پہلے یہ آیت پڑھی ہی نہیں، وضاحت "الکشاف" سے ہے۔

اصحابؓ کی جو غلطیاں ہیں وہ ان کو تو معاف ہیں لیکن اس میں ان کی پیروی جائز نہیں جیساکہ بعض صحابہؓ نے امامانِ برحق سے بغاوت کی اور ان کے ساتھ جنگیں لڑیں۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے امر واقعہ میں دیکھاکہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ کو محاسبہ کے لئے پسِ پردہ لے گئے، کچھ وقت بعد حضرت امیرالمومنینؑ باہرآئے اور کہا کہ الحمدللہ حق میرے ساتھ تھا کچھ دیربعد معاویہ نے باہرآکر کہاکہ الحمدللہ مجھے معافی مل گئی۔

مواھب میں اس آیت " والذين جاؤ امن بعد هم يقولون ربنا اغفرلنا و لا خواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا الذين امنوٓ ربنآ انك رؤف رحيم" کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "وہ لوگ جو مہاجرین اور انصار کے بعد آئے یا آئے ہیں، ان سے مراد تابعینِؒ صحابہؓ ہیں، وہ قیامت تک کہتے رہیں گے کہ خدایا ہمیں بخش، ہمارے بھائیوں کو بخش جو ہم سے پہلے گذر گئے اور ایمان پر تھے اور ہمارے دلوں میں ان کے بارہ میں کینہ، حسد اور خیانت نہ پڑنے دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے، یعنی اصحابِؓ پیغمبرؐ۔اے ہمارے پیدا کرنے والے ہم اس بھروسے پر کہ تومہربان ہے عرض کرتے ہیں کہ

ہماری دعاقبول ہواور ہمیں بخشش عطافرمااور جوآگے چلے گئے ان کے گروہ میں داخل کر" کہتے ہیں کہ جس کسی کے دل میں اصحابِؓ رسولؐ میں سے کسی ایک کے بارہ میں کینہ اور حسد ہوگا تووہ اس آیت کا مصداق نہ بن سکے گا۔

صاحبِ انوار سے روایت کی گئی ہے کہ خدا نے مومنوں کو درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے نیچے رکھاہے یعنی مہاجر انصار اور تابعین جو سادگی اور پاکی طینت سے آراستہ تھے۔اس لئے جو کوئی بھی اِن خوبیوں سے آراستہ نہ ہوگا تووہ مومنوں کی صف سے خارج تصور ہوگا۔اللہ کی پناہ سعید ابن مسبب سے پوچھاگیاکہ طلحہؓ اور زبیرؓ اور معاویہ وغیرہ کے بارہ میں تمہاراکیاخیال ہے کیونکہ انہوں نے امامِ برحقؑ کے خلاف بغاوت کی تھی انہوں نے کہامیں اس کے سواکچھ نہ کہوں گاجو قرآن مین خدا نے خود فرمایاپھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔"والذين جاؤ امن بعد هم الآيته" یعنی اصحابِؓ رسولؐ کو مغفرت، رضوان اور محبت کے بغیر کسی اور چیز سے یادنہ کرواور ان میں سے کسی ایک کے بارہ میں دل میں مکروفریب اور دشمنی اور حسد نہ رکھو کیونکہ یہ خجالت کاباعث بنتی ہے اور متذکرہ بالا حدیث کا منشاء بھی یہی ہے اللہ ہمیں ہدایت کا راستہ دکھائے۔

دوسری حدیث:

"لا ينبغى لقومٍ فيهم ابوبكرؓ ان يوءَمهم غيره"

"یہ کسی قوم کوزیب نہیں دیتاکہ ان کے درمیان ابوبکرؓ موجود ہواور کوئی دوسرا ان کاامام بنے"

بظاہر تویہ حدیث مرض الموت میں فرمائی گئی، جبکہ حضورؐ مسجد میں تشریف نہ لے جاسکتے تھے اور جماعت کی امامت نہ فرماسکتے تھے تواس وقت یہ حکم فرمایاتھاکہ ابوبکرؓ نمازیوں کی امامت کریں۔اس ضمن میں حضرت عائشہؓ نے توقف فرمایااور یہ عذر پیش کیاکہ ابوبکرؓ دل کے نرم ہیں اوران کے لئے آنحضورؐ کے مقام پر کھڑا ہونا ممکن نہ ہوگا۔ یہ حدیث حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت مرتضٰی کرم اللہ وجہ، طلحہؓ، عباسؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ نے ان کی بیعت کرنے میں جو توقف فرمایااور بیعت کے وقت موجود نہ تھے وہ ان کے اجتہاد کی بناء پر تھا۔ حضرت صدیقؓ نے ان کو طلب فرماکر دوسرے صحابہؓ کو بھی بلواکر خطبہ پڑھا اور کہاکہ یہ علی کرم اللہ وجہ ابن ابی طالبؓ ہیں، میں بیعت کے لئے ان پر جبر نہیں کرتاان کااپنااختیار ہے اور تمہارا ابھی اپنااختیار ہے اگر کسی دوسرے کو مجھ سے بہتر اور قابلِ ترجیح سمجھتے ہو تو اس کے ہاتھ پر بیعت کرو میں امیدوار نہیں۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ اور جو جو بھی ان کے ساتھ

تھے سب نے کہا کہ ہم آپ سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتے، پیغمبرؐ نے آپ کو دینی معاملات میں ہمارے آگے کھڑا کیا اور کون ہے جو آپ کو پیچھے دھکیل دے۔ اس بات میں بھی اسی حدیث کی طرف اشارہ تھا، جس میں آپؓ نے نماز میں امامت کی چنانچہ سب نے ان کی بیعت کی اور اس طرح اجماع امت پیدا ہوا۔

روایت ہے کہ امیر المومنین اسد اللہ کرم اللہ وجہ کے پاس ابو سفیان آیا اور کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ ایک تیمی جو قریش کے سب سے نچلے خاندان سے ہے وہ عبد مناف کی اولاد پر حاکم بن جائے اگر تم حکم دو تو میں اتنے سوار اور پیادہ اکٹھے کروں کہ ان لوگوں کی بیخ وبن اکھاڑ دوں۔ تو حضرت مرتضٰی کرم اللہ وجہ نے اس کو جھڑک دیا اور فرمایا اے دشمنِ اسلام تو نہیں دیکھتا کہ آنحضرتؐ نے دین کے معاملات میں اُسے ہم پر مقدم رکھا اور کون ہے جو دنیا کے معاملے میں انہیں پیچھے دھکیلے۔ یہ اُنؓ کی فضیلت اور بزرگی کی نشانی ہے۔

جب اللہ تعالٰی قرآن میں فرماتا ہے "اذ يقول لصاحبه لا تحزن انّ الله معنا"۔ "جب پیغمبرؐ نے اپنے دوست سے کہا غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے وہ ہمیں بچائے گا اور محفوظ رکھے گا" یہ آیت غار میں اس وقت نازل ہوئی جب حضرت صدیقؓ آنحضورؐ کے رفیق تھے۔ جب کفار اس غار تک پہنچے اور ان کے قدم آنحضورؐ اور حضرت ابو بکرؓ کو نظر آنے لگے تو صدیقؓ عتیق نے نبوتؐ پناہ کے سامنے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اگر ان کافروں نے اپنے قدموں کی طرف دیکھا تو ہمیں بھی دیکھ لیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تجھے کیا غم ہے اگر ہم دو انسان ہیں تو تیسرا خدا بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس لئے علماء کہتے ہیں کہ جو شخص حضرت صدیقؓ کی صحبت سے انکار کرتا ہے وہ قطعی طور پر کافر ہو جاتا ہے بمقابلہ دیگر اصحابؓ کے۔

اسی طرح مدارك التنزيل اور شرح آدابُ المريدين میں مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے اس وقت یہ گفتگو فرمائی تھی جب ثانی الذکر پر افضل عالمؐ کی سلامتی کا فکر حاوی ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ غار کے نیچے دیکھ جب انہوںؓ نے دیکھا تو عظیم سمندر تھا جس کے کنارے کشتی کھڑی تھی جسے دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ اگر کفار غار میں اُتر آئے تو ہم کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں چلے جائیں گے تو اللہ نے صدیقؓ کے دل کو سکون عطا فرمایا اس خوف سے جو انہیں آنحضورؐ کی سلامتی کے بارہ میں دامن گیر تھا، وہ محفوظ رہے۔

انؓ کی افضلیت کے بارہ میں سرور کائناتؐ نے فرمایا کہ جس کسی نے میرے ساتھ احسان اور نیکی کی میں نے اس کا احسان چکایا لیکن ابو بکرؓ کے احسان کا بدلہ خدا ادا کرے گا اور ایسا کیوں نہ ہو کہ غار میں حضورؐ پر نیند طاری ہو گئی اور آپؐ نے اپنا سر مبارک صدیقؓ کی ران پر رکھا اور انہوں نے غار کے سوراخ اپنے کپڑوں سے بند کیے اور جو دو بڑے بڑے سوراخ تھے ان پر زہریلے حشرات الارض کے خطرہ کے پیش نظر انہوں نے اپنے دونوں پاؤں رکھ دیے۔ جب حضورؐ سو گئے تو ایک سانپ نے صدیقؓ کے مبارک پاؤں کو ڈس لیا لیکن انہوں نے نہ کوئی آواز بلند کی اور نہ کوئی حرکت کی مبادا آنحضرتؐ کی آنکھ

کھل جائے اور اس سے ان کو سر مبارک میں درد ہو۔ لیکن ان کے آنکھ کا ایک آنسو آنحضرتؐ کے رخ مبارک پر گرا، آپؐ کی آنکھ کھل گئی اور فرمایا اے صدیقؓ تجھے کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہؐ مجھے سانپ نے ڈس لیا تو آپؐ نے فرمایا پاؤں ادھر کیجئے، پھر آپؐ نے اس پر اپنا لعاب مبارک ڈالا تو درد جاتا رہا۔ سبحان اللہ ان کا یہی حوصلہ تھا جس سے وہ اولیاء اولین وآخرین کے سردار بنے اور انہیں افضلؓ البشر بعد از انبیاء قرار دیا گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ابو بکرؓ کے ایمان کو میری ساری امت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ہر صورت میں اول الذکر کا ایمان بھاری ہو گا۔ روایت ہے کہ جبرائیل سے آنحضورؐ نے کہا میرے سامنے عمرؓ کے فضائل بیان کرو تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہؐ اگر میں آپ کے سامنے عمرؓ کے فضائل بیان کرنے لگوں تو عمرِ نوحؑ بھی کافی نہ ہو گی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضورؐ میرے حجرے میں تھے تو میں نے ان سے اچانک سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ کوئی ایسا آدمی بھی ہے جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں، تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں وہ عمرؓ ہیں، تو میں نے کہا کہ ابو بکرؓ کی نیکیاں کہاں گئیں، آنحضرتؐ نے فرمایا عمرؓ کی ساری نیکیاں ابو بکرؓ کی ایک نیکی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ سبحان اللہ حضرت عمرؓ کی اتنی فضیلتیں کہ جبرائیل ان کے بیان کرنے سے عاجز اور معذور ہیں اور ان کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر بتائی گئی ہیں، اس کے باوجود آپؐ نے فرمایا کہ یہ تمام کی تمام حضرت ابو بکرؓ کی نیکیوں میں سے صرف ایک کے برابر ہیں۔ یہ ساری نیکیوں کی افزائش انؓ کے کمالِ اخلاص کی قوت، کیفیت قلبی اور نفاست، ان کی تصدیق اور معرفت کی گواہ ہے، جیسا کہ حضورؐ سے روایت ہے کہ ابو بکرؓ کی فضیلت تم پر نماز اور روزے کی کثرت کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس جذبہ کی وجہ سے جو اس کے دل میں رکھ دیا گیا ہے، اس سے مراد سکون قرار اور ان کا وقار ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی زمین پر چلتے پھرتے بے جان کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ ابی قحافہؓ کے بیٹے کی طرف دیکھے کہ جو موت سے پہلے ہی مرا جاتا ہے۔ یہ بات ان کے فنا فی اللہ وبقا باللہ کے مقام پر فائز ہونے کو ثابت کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن جبرائیل آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے گدڑی پہن رکھی تھی اور ان کے سر اور پاؤں ننگے تھے، آپؐ نے کہا کہ اے جبرائیل! آپ کا یہ حال جو میں دیکھ رہا ہوں کیونکر ہے؟ اس نے کہا، یا رسول اللہؐ، صدیقِ اکبرؓ نے جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا آج صدقہ کر دیا ہے اور گدڑی پہن لی ہے اور سر اور پاؤں سے برہنہ ہو گئے ہیں، جس پر اللہ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ تم آج اسی کی روش اختیار کرو اس لئے میں نے یہ صورت بنا رکھی ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ فاروق کو جب وہ حضرت صدیقِؓ اکبر سے کسی بات پر تکرار کر رہے تھے فرمایا کیا تم ایسے شخص کے ساتھ جھگڑا کرتے ہو کہ جب مجھے اللہ نے بھیجا تو تم لوگوں نے کہا کہ ہم تمہیں جھٹلاتے ہیں اور وہ پہلا شخص جس نے کہا تھا میں تم

پر ایمان لاتا ہوں۔ حضرت مرتضٰی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ساقی آب کوثر ہوں گا اور ایسے کسی شخص کو ایک گھونٹ پانی نہ دوں گا جس کا ابو بکرؓ صدیق سے کوئی جھگڑا ہو گا۔ قیسؓ ابن ابی حازمؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ صدیق اور حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہ کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ، علی کرم اللہ وجہ کے سامنے متبسم ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے پوچھا کہ وہ کون سی بات ہے جس پر تم میرے سامنے مسکرا دیئے۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ پل صراط سے ایسا کوئی شخص بھی نہ گذر سکے گا جس کے پاس علی کرم اللہ وجہ ابن ابی طالبؓ کی راہداری نہ ہو گی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ ہنس دیئے اور کہا کہ اے ابو بکرؓ میں تجھے یہ خوشخبری نہ سناؤں کہ مجھے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تو ایسے شخص کے علاوہ جو ابو بکرؓ کو دوست رکھتا ہو کسی کو راہداری جاری نہ کرنا۔ یہ بات فضل الخطاب میں ہے۔ امیر المومنین کرم اللہ وجہ نے حضرت ابو بکرؓ کی تعریف میں یہ اشعار کہے ہیں: (ترجمہ ذیل ہے) :

'ابو بکرؓ نے رضائے خدا میں اپنا تمام مال دے دیا اور اپنے مال متاع سے بلالؓ کو آزاد کرا دیا اور تین ہزار دینار جو ان کے پاس تھے اس کے بدلے میں ادا کیے اور بلالؓ کو آزاد کرا دیا اور اسؓ نے ہر مرحلہ پر پیغمبرؐ کا ساتھ دیا اور ہر نیکی اور فضل میں اور ایجابت اور قبولِ اسلام میں بھی پہل کی اور اگر سمندر بھی اسؓ سے دشمنی یا بغض رکھے گا تو خدا اسے سراب میں بدل دے گا اور اس میں تری نام کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی'۔

آپؓ کا حلیہ اس طرح سے ہے، انؓ کا قد درمیانہ سے ذرا زیادہ تھا، خوبصورت تھے، روشن دیدار تھا، چھریرا بدن تھا، سبک چہرہ، نازک رخسار تھے۔ ان کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور خلافت دو سال چند ماہ۔ نام عبداللہ، کنیت ابو بکرؓ، لقب صدیقؓ و عتیقؓ۔ وہ ابو قحافہؓ کے بیٹے تھے جن کا خاص نام عثمان بن عامر بن عمر بن سعد بن تیم بن کعب، جو آنحضرتؐ کے جدِ امجد ہیں۔ انؓ کا قول ہے :-

"انبسط لي الدنيا و زهدني فيها"

"خدایا، میرے لئے دنیا کو کشادہ کر اور اس میں مجھے زُہد عنایت فرما"

یعنی میرے لئے دنیا کو اس لئے کشادہ کر اور مجھے آفتوں سے اس لئے بچا کہ میں اس پر تیرا شکر ادا کر سکوں اور مجھے طاقت دے تاکہ میں اس دنیا میں پھنس نہ جاؤں اور اس سے منہ موڑے رکھوں تاکہ میں شکر و انفاق کا درجہ پا سکوں اور صبر کا بھی۔

خواجہ محمد حافظ الدین فرماتے ہیں کہ یہاں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فقر اختیاری ہو نہ کہ اضطراری۔

واللہ اعلم بالصواب

تیسری حدیث :

"لو كان بعدي نبي لكان عمرؓ بن الخطاب"

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ بن خطاب ہوتا"

ایک اور حدیث یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا، اور اس کی زبان اور دل سے حق کو جاری کیا۔ ان کی تعریف اور منقبت میں یہی کہنا کافی ہے کہ خدا نے ان کے ذریعہ دین اسلام کو مستحکم کیا، تاکہ پیغمبرؐ کی وہ دعا قبول ہو جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ الٰہی دین اسلام کو مستحکم فرما، ابو جہل بن ہشام کو یا عمر بن خطاب کو مسلمان کر کے تاکہ اس کے ذریعے اسلام طاقت حاصل کرے اور یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی۔ جب وہ اسلام میں داخل ہوئے تو اس کے بعد اسی روز آنحضرتؐ نے کھلم کھلا مسجد الحرام میں نماز ادا کی۔ ان کے اسلام لانے سے پہلے کوئی شخص کھلے بندوں نماز ادا نہ کر سکتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام مومن اسلام پر ناز کریں گے جبکہ اسلام عمرؓ پر فخر و ناز کرے گا۔ شیخ محدث مہاب جو سچ بیان کرنے میں مشہور ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے، خلافتِ صدیقؓ کی حقانیت کی ویسے ہی دلیل ہے جیسے عمارؓ بن یاسرؓ کا قتل حضرت علی کرم اللہ وجہ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ ان سب سے بڑھ کر یہ بات کہ ان کی رائے اور فکر، وحی اور کتاب کی مطابقت میں ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کی رائے کی موافقت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جیسا وہ سوچتے تھے، اسی طرح وحی نازل ہوتی تھی اور ایسے مواقع بیس سے زائد ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب آپ نے تجویز کیا کہ مقامِ ابراہیمؑ کو بطور جائے نماز قرار دیا جائے تو اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی

"واتجذوا من مقام ابراهيم مصليً"۔

دوسرا امہات المومنینؓ کے پردے کے بارہ میں کہ جب انہوں نے یہ رائے دی کہ وہ حجاب میں رہیں اور لوگوں کے سامنے نہ آئیں تو اس نیک اور مستحسن رائے پر یہ آیت نازل ہوئی

"واذاسالتموهن متاعًا فاسئلوهن من ورآء حجابٍ"

تیسرا حضورؐ کی ازواجؓ نے اکٹھے ہو کر شہد کے اس شربت کے بارہ میں ایک متفقہ منصوبہ بنایا جو آپؐ نے حضرت زینبؓ کے گھر سے پیا تھا اور اس کے نتیجہ میں ازواجؓ میں سے ہر ایک نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے جو بدبودار درخت ہے جس کی توجیہہ حضرت عائشہؓ نے یہ کی کہ شہد کی مکھیوں نے ہو سکتا ہے کہ مغافیر کے پھولوں سے رس چوسا ہو۔ جس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنے اوپر شہد کھانا حرام کر لیا یا جس طرح حضورؐ نے اپنی ممتوعہ ماریہ قبطیہؓ سے ام المومنین حضرت حفصہؓ کی خاطر رابطہ منقطع کر لیا اور انہیں اپنے اوپر حرام قرار دے دیا اور جب انہوں (ازواجِؓ نبیؐ) نے یہ بھید

آپس میں کھول دیئے تو آنحضرتؐ اپنی ازواجؓ سے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ازواجِ مطہراتؓ سے کہا کہ وہ وقت قریب ہے کہ پیغمبرؐ اگر آپؐ کو طلاق دیں تو انؐ کا رب تمہارے بدلے میں انہیںؐ تم سے بہتر خواتین دے دے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی جو لفظاً و معناً آپؓ کے قول سے مطابقت رکھتی تھی۔

"عسى ربه ان طلقكن ان يبدله ازواجاً كيراً منكن"

چوتھا: انہوں نے بدر کے ستر قیدیوں کو قتل کرنا مناسب سمجھا لیکن آنحضرتؐ نے صدیق اکبرؓ اور دوسرے دوستوں کی رائے پر عمل کرتے ہوئے ان سے فدیہ لینا قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ کرتے ہوئے یہ آیت نازل کی۔

"لولا كتاب من الله سبق لمسكم فى مآ اخذتم عذاب عظيم"

"اگر خدا کا حکم اس سے پہلے لوحِ محفوظ میں نہ ہوتا [کہ اہلِ بدر کو عذاب نہیں کیا جانا یا مجتہد جس سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس کا مواخذہ نہ ہو گا] تو ہر حالت میں تم تک خدا کی طرف سے بڑا عذاب پہنچتا"

حضورؐ نے فرمایا کہ اگر عذاب آتا تو عمرؓ اور سعدؓ بن عبادہ کے علاوہ کوئی نہ بچ پاتا، کیونکہ وہ دونوں بزرگ، قیدی کفار کے قتل پر رضامند تھے نہ کہ فدیہ لینے پر۔

پانچویں مثال: جب حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ اے اللہ شراب کے معاملہ میں ہمیں راہنمائی فرما تو اس پر یہ مفصل حکم نازل ہوا۔

"یآء یھاالزین آ منو ا انما الخمروالميسر والانصاب وا لازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون"

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اے اللہ اب ہم اس سے دستبردار ہوئے اور شراب نوشی ختم کر دی۔

چھٹی مثال: انہی معنوں میں اور اسی صورت میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"الیٰ فهل انتم منتهون"

ساتویں مثال: عبداللہ بن ابئی کی موت کے وقت اس کی نماز جنازہ حضورؐ پڑھنا چاہتے تھے اور حضرت عمرؓ اس کے مخالف تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

"ولا تصل علیٰ احدٍ منهم مات ابداً و لا تقم على قبره"

یعنی منافقوں میں سے جب کوئی مرجائے تو تم اس کی قبر پر دعا اور دفن کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو۔

آٹھویں مثال: شروع شروع میں رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد مسلمانوں کے لئے کھانا پینا اور ہمبستری کرنا حرام تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس میں بھلائی سمجھی کہ اگر یہ پابندیاں صبح کے بعد ہوتیں تو

مسلمانوں کے لئے بہتر ہوتا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

"فاكان باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا حتي يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر"

نویں مثال: جب ام المومنین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگی جو منافقین نے گھڑ رکھی تھی تو آپؐ کے دوستوں میں سے ہر ایک منافقوں کے قول کے رد کے لئے اور آنحضورؐ کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل پیش کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ آپؐ نے کس کے کہنے پر حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا حق تعالیٰ کے کہنے پر۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپؐ کا کیا خیال ہے کہ خدا نے آپؐ کو کوئی ناپاک عورت نکاح میں دی ہے، اللہ کی قسم یہ بہت بڑا بہتان ہے تو اس پر یہ آیت ویسے ہی نازل ہوئی جیسے انہوں نے کہا تھا۔

"سبحانك هذا بهتان عظيم"

دسویں مثال: ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ آپ کے آقا یعنی پیغمبر اسلامؐ یہ کہتے ہیں کہ مجھ پر جبرائیل وحی لاتا ہے اور وہ تو ہمارا دشمن ہے اگر ان پر میکائیل وحی لاتا تو ہم ہر صورت اس پر ایمان لے آتے جس پر حضرت عمرؓ نے یوں کہا۔

"كان عدواً لله و ملئكة و رسله و جبريل وميكال فان الله عدو للكافرين"

اور اسی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی۔

گیارہویں مثال: جب یہ آیت نازل ہوئی۔

"ثلة من الاولين و قليل من الاخرين"

تو حضرت عمرؓ رو پڑے اور کہا یا رسول اللہ میں خدا اور آپ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اس کے کلام کی تصدیق کی ہے ہمیں بھی چھٹکارا دلایئے تو یہ آیت نازل ہوئی

"ثلة من الاولين وثلة من الاخرين"

"بہت سے گروہ اولین میں سے اور بہت سے گروہ آخرین میں سے نجات پائیں گے"۔ چنانچہ آپؐ نے وہ آیت حضرت عمرؓ کی طرف بھیجی اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اسی طرح آیت نازل فرمائی جس طرح تو نے کہا تھا۔

بارہویں مثال: دو اشخاص کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا اور وہ فیصلہ کے لئے آنحضورؐ کے پاس گئے۔ آپؐ نے ان میں سے ایک شخص کے خلاف حکم صادر فرمایا اور اس پر سزا واجب ہو گئی، لیکن اس نے کہا میں اس حکم پر راضی نہیں ہوں اور میں اس معاملہ کو عمرؓ کے پاس لے جاؤں گا اور اس کے فیصلے پر رضامند ہوں گا۔ جب فریقین معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو وہ شخص جو حق پر تھا نے کہا کہ ہم پیغمبرؐ کے پاس گئے

تھے اور انہوںؑ نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ میں اس پر راضی نہیں ہوں میں تو عمرؓ کے پاس جاؤں گا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اس (دوسرے) سے پوچھا کہ کیا یہ بات درست ہے جو یہ کہہ رہا ہے؟ تو اس نے کہا جی ہاں! میں آپ کے حکم پر رضامند ہوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب تک میں واپس نہیں آتا تم یہیں ٹھہرو۔ وہ گھر سے تلوار لے کر آئے اور اس شخص کی گردن اڑادی جس نے کہا تھا کہ وہ پیغمبرؐ کی بات نہیں مانتا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ میرا ایسی فیصلہ ہر اس شخص کے لئے ہوگا جو خدا اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"فلا و ربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم"

اس طرح اس شخص کا خون رائیگاں اور ضائع گیا اور حضرت عمرؓ اس کے قتل کے تاوان سے بچ گئے۔ یعنی ان کی رائے کے مطابق حکم ربانی نازل ہوا کہ اس وقت تک تم مومن نہیں کہلا سکتے جب تک تم اپنے تنازعات میں رسولؐ کے حکم کو تسلیم نہیں کرتے۔

تیرہویں مثال: ان کے دل میں یہ خیال گیا کہ یہ ضروری ہے کہ خاندان کے چھوٹے بڑے تین اوقات میں اجازت لے کر کمرہ کے اندر آئیں، ایک فجر کی نماز سے پہلے، دوسرے دوپہر کو جب لوگ گرمی کی وجہ سے کپڑے اتارے ہوئے ہوتے ہیں اور تیسرے نماز عشاء کے بعد کیونکہ تینوں اوقاتِ خلوت ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

"یآ ایھالذین اٰمنوا لیستأذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلٰث مراتٍ من قبل صلوة الفجر و حین تضعون ثیابکم من الظھیرة و من بعد صلوة العشآءِ ثلٰث عوراتٍ لکم"

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس آیت کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں اور بقول جمعی محکم، ابنِ زبیرؓ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ اس آیت کے فسخ کے بارہ میں باتیں کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم یہ منسوخ نہیں البتہ لوگ اس کی پابندی میں ڈھیل برتتے ہیں۔

چودہویں مثال: یہودیوں کو مہلت دینے والی۔

پندرہویں مثال: آیت "الشیخ و الشیوخته اذا زنا" کا صفحہ قرآن سے حذف ہونا۔

سولہویں مثال: احد کے دن جب ابو سفیان نے یہ کہا کہ ہمارے پاس تو "عزیٰ ہے" اور تمہارے پاس نہیں اور حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ خدا ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "ذلك بان الله مولى الذين امنو وان الكافرين لا مولى لهم"

سترہویں مثال: متن کتاب میں یہ مثال درج نہ ہے، سہواً رہ گئی ہے۔

اٹھارویں مثال: روایت کرتے ہیں کہ کعب الاحبار نے کہا کہ زمین کی ہیئت ترکیبی اور خمیر

آسمان کی ہیئت ترکیبی اور خمیر سے زیادہ مضبوط ہے، تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم اپنے آپ کو محاسبہ کے لئے پیش کرو تو کعب الاحبار نے کہا کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی قسم یہ بات اسی طرح ہے اور آپ نے میرا محاسبہ کر کے تورات کی متابعت کی ہے تو اس پر حضرت عمرؓ نے سجدہ شکر ادا کیا۔

انیسویں مثال: روایات جن کی سند اگرچہ ضعیف ہے میں آیا ہے کہ جب حضرت بلالؓ نے اذان میں "اشھدان لا اله الاالله" کہا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کے بعد "اشھدان محمد رسول الله" کہو، جس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اسی طرح کہو جیسے عمرؓ نے کہا۔

بیسویں مثال: آنحضرتؐ اپنی قوم کے ان لوگوں کے لئے جو مسلمانوں پر استہزا کرتے تھے اور منافقین کے لئے استغفار فرمایا کرتے تھے جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"سوآء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفرلھم لن یغفرالله لھم"

تو یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی۔

ایسے بیس مواقع ہیں جن میں ان کی رائے اور سوچ کے مطابق وحی نازل ہوئی اور اگر شراب کے بارہ میں آنے والی روایتوں کو اس ضمن میں گنا جائے تو ایسے مواقع بیس سے بڑھ جائیں گے۔ الشرح میں اس طرح آیا ہے۔

عمر ابن خطاب ابن نقیل ابن عبدالعزیٰ ابن ریاح ابن عبدالله ابن فرط ابن رواح ابن عدی ابن کعب جو آنحضورؐ کے بھی جد امجد ہیں، جیسا کہ محمد ابن عبدالله ابن عبدالمطلب ابن ھاشم ابن عبدالمناف ابن قصی ابن قلاب ابن مره ابن کعب اسی طرح شیخینؓ کا سلسلہ نسب آنحضرتؐ سے کعب پر جا ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ کا حلیہ سفید رنگ، کھلی آنکھیں، اونچا قد عام پیدل چلنے والے آدمیوں کے مقابلہ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوار ہیں اور باقی پیادہ، ان کے رخسار بیٹھے ہوئے پر رعب اور پر ہیبت تھے۔ ان کی خلافت ساڑھے دس سال اور ان کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور عام طور پر ان کی کنیت ابو حفص اور لقب فاروق تھا۔

آپؓ کا قول: "العزلة راحة من خلطاءِ سوءٍ"

"برے مجلسیوں کے مقابلہ میں گوشہ نشینی بہتر ہے"

اور یہ بھی آپؓ کا قول ہے:

"داراسست علي البلوي بلابلوى محال"

"جس گھر کی بنیاد ابتلاء اور آزمائش پر ہو یہ ناممکن ہے کہ وہ مصیبت سے پاک اور آزمائش سے خالی ہوگا"۔

چوتھی حدیث:

"لکل نبیٍ رفیق و رفیقی فی الجنۃ عثمانؓ"

"ہر پیغمبر کے ساتھ ایک مخلص دوست ہوتا ہے اور جنت میں میرا دوست عثمانؓ ہے"

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تبوک کے لئے لشکر تیار کیا گیا جسے مفلسی کا لشکر بھی کہتے ہیں تو آنحضورؐ لوگوں کو اس تنگدستی قحط اور سختی کے زمانہ میں اعانت کے لئے آمادہ کر رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا یارسول اللہ میرے پاس ایک سو اونٹ جھول اور پالانوں سمیت ہیں، اس پر آپؐ نے لوگوں کو باقی سامان اور ضروریات کے لئے اپیل کی تو حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میرے پاس دو سو اونٹ مع سازوسامان ہیں۔ آنحضرتؐ نے لوگوں کو لشکر کی قوت مزید بڑھانے کے لئے کہا تو حضرت عثمانؓ نے کہا میرے پاس تین سو اونٹ مع سازوسامان ہیں، اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اس نیکی اور احسان کے بعد جو عثمانؓ نے تقویت اسلام کے لئے کی ہے اس پر کوئی خوف اور ڈر باقی نہیں رہا۔ یعنی یہ ساری خطاؤں کا کفارہ ہے اور اگر کبھی کوئی خطا اس سے سرزد ہوئی تو اسے اس کا کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ ایک اور روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ ہزار دینار اپنی آستین میں ڈال کر حضورؐ کے پاس لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ آج کے بعد عثمانؓ کی کوئی تقصیر اس کو ضرر نہ پہنچا سکے گی، یہ بات آپؐ نے دو مرتبہ فرمائی۔ اور اسی صدق، اخلاص اور حوصلے کی بناء پر تھا کہ ان کو جنت میں آنحضورؐ کی رفاقت اور معیت کی خصوصیت نصیب ہوئی۔ روایت ہے کہ ہر وہ شخص جو درگاہ کبریا میں مقبول ہو جائے اور اس سے اس کے بعد کوئی غلطی اور خطا سرزد بھی ہو تو اس کے باوجود وہ بخشش پائے گا جیسا کہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے۔

"الا انّ اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون"

جو شخص بھی اس کی بخشش کے سائے میں ہے اس کے گناہ اطاعت کے طور پر گنے جاتے ہیں اور اس کے دشمن دوست بنا دیئے جاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ اپنے گھر میں پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے اور لباس کا کچھ حصہ اٹھا ہوا تھا اور ان کے جسم مبارک کے بعض اندام ننگے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے اسی حالت میں اجازت دے دی اور اپنے جسم مبارک کو نہ ڈھانپا اور حضرت ابوبکرؓ آپؐ سے گفتگو کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ آئے، اجازت طلب کی انہیں بھی اجازت ملی اور آپؐ اسی حال پر رہے۔ حضرت عمرؓ آپؐ سے بات چیت کرتے رہے کہ اسی اثناء میں حضرت عثمانؓ آئے اور اجازت طلب کی تو آپؐ اٹھ بیٹھے اور اپنے آپ کو ڈھانپ لیا اور جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے آنے سے نہ ہلے اور نہ ہی کوئی جھجک محسوس کی اس کے بعد حضرت عمرؓ

کی آمد پر بھی آپؐ نہ ہلے اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ آئے تو آپ بیٹھ گئے اور اپنے لباس کو درست کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، یعنی اس کی بہت زیادہ عزت وتکریم کرتے ہیں۔

آپؓ کا حلم، تواضع اور دوست نوازی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہتے ہیں کہ جب غسل کرتے تو باوجود تکلیف کے گھر کا دروازہ بند کر دیتے اور اپنے اندام نہانی کی طرف نظر نہ کرتے۔

اپنی خلافت کے دوران جب ایک دن ان کے چار سو (۴۰۰) غلام بھی موجود تھے وہ سر پر ایندھن کا گٹھا اٹھا کر لا رہے تھے تو لوگوں نے پوچھا کہ یاامیر المومنینؓ یہ کیا حال بنا رکھا ہے تو آپؓ نے فرمایا کہ میں اپنے نفس کو آزما رہا ہوں کہ وہ میرے اس مرتبے کی وجہ سے دنیا کے کسی کام سے ہچکچاہٹ تو محسوس نہیں کرتا۔

عبداللہؓ بن رباح اور ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ شورش کے دن ہم امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے پاس موجود تھے، جب جلوس ان کے گھر پہنچا تو ان کے غلام اسلحہ لئے آگئے، تو حضرت عثمانؓ نے انہیں کہا کہ (تم میں سے) جو بھی اسلحہ نہ اٹھائے گا وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ جب ہم باہر نکل رہے تھے تو حضرت حسنؓ بن علیؓ ہمیں راہ میں ملاقی ہوئے، ہم واپس آگئے اور حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوئے کہ حضرت حسنؓ کیا کہتے ہیں۔ جب حضرت حسنؓ نے اندر آکر سلام کہا اور فرمایا یا امیر المومنین آپؓ تو امام برحق ہیں اور میں آپؓ کے حکم کے بغیر تلوار نہیں اٹھا سکتا، مجھے اجازت دیں کہ میں اس مصیبت کو دفع کروں۔ حضرت عثمانؓ نے آپ سے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے، آپ گھر بیٹھ جائیں تاکہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے، ہمیں مسلمانوں کا خون بہانے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ آپؓ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کی مانند تھے، جنہوں نے جبرائیل سے کہا تھا کہ مجھے تیری ضرورت نہیں مجھے حق سبحانہ تعالیٰ کافی ہیں میرا بھی یہی سوال ہے کہ وہ مجھ سے میرے حالات کو بہتر جانتا ہے۔

آپؓ کا فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا یہ مرتبہ تھا اور یہی انؓ کی تسلیم ورضا اور خلّت کو ظاہر کرتا ہے اور اکثر دوستانِ ربانی، مصیبت اور سختی کے وقت آپؓ کی پیروی فرماتے ہیں۔ اور آپؓ کے مناقب اور عظمت بیان کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آنحضرتؐ کی دو بیٹیاں آپؓ کی زوجیت میں تھیں اور آپؓ کے سوا کسی شخص کو کسی پیغمبر کی دو بیٹیاں نکاح میں نہ ملیں، اسی وجہ سے آپؓ کا لقب ذوالنورینؓ ہوا۔ آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی اُم کلثومؓ کو فرمایا کہ میں نے تمہارا عقد ایسے شخص کے ساتھ کیا ہے جو صورت وسیرت میں اپنے جدامجد ابراہیمؑ خلیل اللہ اور تیرے باپ محمدؐ سے ملتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شورش کے دن حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پانی کا پیالہ دے کر

بھیجا اور کہا کہ اگر میری امداد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ تو آپؓ نے کہا کہ میں نے آج رات پیغمبرؐ خدا کو خواب میں دیکھا، جنھوںؐ نے فرمایا تھا کہ اگر تو جنگ کرنا چاہتا ہے تو تجھے ان پر فتح نصیب ہو گی اور اگر نہیں تو آج رات افطار میرے پاس کرو۔ اور مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں پیغمبرؐ کے پاس جا کر روزہ افطار کروں۔ اور آپؓ وہ سارا دن اور شبِ شہادت روزہ سے تھے۔ خدا ان پر اور ان کی اتباع کرنے والوں پر راضی ہو۔

آپؓ کا شجرہ نسب، عثمانؓ بن عفان ابن ابوالعاص ابن امیہ ابن عبدالشمس ابن عبدالمناف جو آنحضرتؐ کے بھی چوتھے جد ہیں۔ آپؓ کا میانہ قد تھا خوبصورت، سرخ و سفید چہرے پر چھوٹے چھوٹے خال تھے، خوبصورت ریش مبارک تھی، جو نظروں کو بھاتی تھی۔ آپؓ کی خلافت تیرہ (۱۳) سال۔ عمر بیاسی (۸۲) سال اور بعض لوگوں کے مطابق تریسٹھ (۶۳) سال تھی۔ آپؓ عابد، نیک خو، باحیا، سخی، متواضع، صابر اور متوکل تھے۔ آپؓ کا لقب ذوالنورینؓ ہے۔

آپؓ کا قول ہے:

"لتصبرن او لتندمن"

"صبر کرو ورنہ پریشان ہو گے" یعنی بے صبری پریشانی کو جلب کرتی ہے۔

"والسعید من اتعظ به"

"نیک بخت وہ ہے جو نصیحت حاصل کرے اور اس پر عمل کرے"

پانچویں حدیث:

"انا دارالحکمة وعلی بابها"

"میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ"

اور ان الفاظ میں بھی،

" انا مدینة العلم و علی بابها"

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ"

دروازہ جو وسیع تر، کشادہ تر اور عظیم تر ہے، اسے کھلا رکھنے اور اس کی وسعت اور بلندی کا التزام اس لئے کیا گیا کہ علم آپؑ سے دوسرے اصحابؓ کو بھی حاصل ہو لیکن اس فرمان کی خاص وجوہات ہیں جو مناقب علیؑ کو ثابت کرتی ہیں۔

ایک پاگل عورت حاملہ ہو گئی، اور اس پر زناء ثابت ہو گیا اور امیر المومنین حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اس کو سنگسار کر دیں تو حضرت علیؑ نے ان کو منع کر دیا اور کہا کہ اے امیر المومنین آپ نے نہیں سنا کہ

رسولِ خدا نے فرمایا ہے کہ تین اشخاص پر سے قلم اُٹھا لیا گیا ہے، ایک پاگل جب تک وہ ہوش میں نہ آئے، دوسرا بچہ جب تک وہ عقل اور بلوغت کو نہ پہنچے اور تیسرے سویا ہوا جب تک وہ جاگ نہ کھڑا ہو، تو انہوں نے اس پاگل کو رہا کر دیا۔ ایسے کئی مسائل ہیں جن میں حضرت عمرؓ، امیر المومنین حضرت علیؑ سے رجوع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ عورتوں کے لئے علیؑ ابن ابی طالبؑ ایسا جننا مشکل ہے۔

"لو لا علی لهلك العمر"۔ "اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا"۔

یہ آپؑ کی علمیت اور انصاف کا مقام ہے کہ ایک شخص نے آپؑ کے خلاف دعویٰ کیا کہ آپؑ نے اس پر زیادتی کی ہے۔ آپؑ، امیر المومنین حضرت عمرؓ کی محفل میں بیٹھے تھے، انہوںؓ نے حضرت علیؑ کو مخاطب ہو کر کہا کہ یا ابوالحسنؑ اٹھ کر اپنے فریق مخالف کے پاس بیٹھو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، انہوں نے آپس میں مناظرہ کیا اور وہ آدمی نادم اور شرمسار ہو کر چلا گیا اور حضرت علیؑ مجلس میں اسی طرح واپس آ گئے اور حضرت عمرؓ نے آپؑ کے تیور بدلے دیکھے تو پوچھا، اے ابوالحسنؑ یہ تو نے کیا حال بنا رکھا ہے کہ میں تیرے چہرے پر ملال دیکھ رہا ہوں، شاید کہ تو نے اس بات کا برا منایا ہے؟ آپؑ نے فرمایا، جی ہاں۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیوں؟ آپؑ نے کہا، اس لئے کہ آپؓ نے میرے فریق مخالف کے سامنے مجھے میرے اصلی نام سے کیوں نہ پکارا اور مجھے میری کنیت سے کیوں مخاطب ہوئے کیونکہ جہاں شریعت کا حکم ہو وہاں کسی اعزاز کی گنجائش نہیں ہوتی اور اس طرح سے شریعتِ نبویؐ کے اصولوں میں نقص واقع ہوتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت مرتضیٰؑ کا سر دونوں ہاتھوں میں لے کر ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور کہا کہ میرا باپ آپ لوگوں پر قربان، تمہارے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور اس نے تمہارے ذریعے سے ہی ہمیں جہالت کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ہدایت دکھایا ہے۔ فضل الخطاب میں اسی طرح ہے۔

انؑ کے علم کا کمال ہے کہ عبداللہؓ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھا، اور انہوں نے بسم اللہ کے معنی بیان کرنا شروع کیے اور ساری رات ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح خطبہ فرماتے رہے اور میری حالت یہ تھی کہ گویا میں کوزہ تھا جو سمندر کی لہروں پر لڑھک رہا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ دیکھئے اس عظیم سمندر سے کوزے کو کتنا نصیب ہوتا ہے۔ سبحان اللہ، عبداللہؓ ابن عباسؓ کا لقب رئیس المفسرین ہے اور ان کے بارہ میں حضرت پیغمبرؐ نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ اسے قرآن کا عالم اور فقیہہ بنا۔ اور اگر ان کا یہ حال ہے تو باقیوں کا کیا حال ہو گا۔ انہی سے روایت ہے کہ قرآن مجید سات حروف، سات لغتوں اور سات قرأتوں میں نازل ہوا ہے اور ہر حرف کے ظاہر و باطن کے معنی مختلف ہیں اور میں بالتحقیق یہ کہتا ہوں کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہر حرف کے ظاہر اور باطن سے واقف و آگاہ تھے۔

اور مسئلہ منبریہ تو آپؑ کے بارہ میں مشہور ہے کہ ایک عورت نے، جب آپؑ منبر پر آئے تو اچانک یہ سوال کیا کہ میرا شوہر فوت ہو گیا ہے اور وہ اس قدر ترکہ چھوڑ گیا ہے، میں اپنا حصہ طلب کرتی ہوں تو آپؑ نے فرمایا کہ تیرا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا ہے اور جب حساب لگایا تو وہی بات تھی نہ کم نہ زیادہ۔

ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ علیؑ ہم میں سے اقضاء ہے اور ابی اقرا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں اس وقت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے کوئی الجھن پیش ہو اور اس کا فیصلہ کرنے کے لئے علیؑ موجود نہ ہوں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اگر اہلِ تورات، اہلِ انجیل، اہلِ زبور اور اہلِ قرآن، سب مجھ سے اپنی اپنی کتاب کی رُو سے فیصلہ طلب کریں تو میں ان کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ یعنی آپؑ کو تمام آسمانی کتب کا علم تھا۔ شرح معارف میں نبوت کی نشانیوں میں یہ بات بھی نقل کی گئی ہے۔

علیؑ عارفوں کے سردار ہیں، انہوں نے ایسی ایسی باتیں فرمائی ہیں جو نہ ان سے پہلے کوئی کہہ سکا اور نہ ان کے بعد۔

ایک دن آپؑ نے منبر پر فرمایا کہ مجھ سے پوچھ لو ہر اس چیز کے بارہ میں جو عرش کے نیچے ہے تو میں اس کا اس علم سے جواب دوں گا جو مجھے آنحضورؐ کا لعابِ دہن چوسنے سے حاصل ہوا ہے۔ اور اگر مجھے اِذن دیا جائے تو میں تورات اور انجیل میں جس ضمن میں کوئی بات ہوئی ہے اس سے بھی خبر دے سکتا ہوں کہ جو کچھ ان میں ہے وہ میری بات کی تصدیق کرے گا۔ اسی مجلس میں 'وعلب' نامی شخص نے آپؑ سے طنزیہ سوال کیا۔ آپؑ نے فرمایا، تجھ پر افسوس اگر تو نے یہ سوال میرے امتحان اور مردآزمائی کے لئے کیا ہے تو اس کا جواب حاضر ہے،۔ جواب کے بعد اس آدمی نے چیخ ماری اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ خدا ہمیں اولیاء اللہ کے امتحان سے پناہ دے۔

انؑ کے ساتھ شفقت اور پیار کا یہ کمال تھا کہ آنحضرتؐ نے ایک بار انہیں کفار کے خلاف ایک مہم پر بھیجا اور فرمایا کہ اے خدا مجھے اس وقت تک نہ اٹھانا جب تک میں علیؑ کو واپس نہ دیکھ لوں۔ شیخینؓ کی خواستگاری کو قبول نہ کر کے آپؐ نے خیر النساء فاطمہؑ زہرا جو آپؐ کے جگر کا پارا ہیں کو زوجیت علیؑ میں دیا اور فرمایا کہ وحی نازل ہوئی ہے اور جبرائیل نے کہا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ فاطمہؑ، علیؑ کو دو۔ اس کے بعد آپؐ نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا کہ اے جانِ پدر میں نے تجھے اس شخص کی زوجیت میں دیا ہے جو اسلام میں سب سے پہلے آیا اور علم میں سب سے بڑھ کر، خُلق میں سب سے بہتر ہے اور عرفان اس کا سب سے زیادہ ہے، میں نے تیرے حق میں کوئی کمی نہیں کی اور میں نے اس شخص کو تیرا شوہر بنایا جو میرے اہل بیت میں بہترین ہے اور خدا کی قسم میں نے تجھے اس کی زوجیت میں دیا کہ جو دنیا و آخرت میں سردار ہے، صالحین میں سے ہے۔

اسی واقعہ سے فقہا یہ اصول اخذ کرتے ہیں کہ ولّی کے لئے لازم ہے جب وہ اپنی بالغ بیٹی کو بیاھنے لگے تو اس سے اِذن طلب کرے اور اگر وہ کنواری ہے اور خاموش رہی تو اس کو اس کی رضامندی سمجھے۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح آیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ غزوہ طائف کے دوران رسولِؐ خدا نے حضرت علیؑ کو طلب فرمایا اور ان سے کوئی راز کی بات کہی اور جب بات ذرا لمبی ہو گئی تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اپنے چچازاد سے وہ راز کہا جو ہم سے نہ کہا، آپؐ نے فرمایا میں نے اپنی طرف سے راز نہیں بتایا بلکہ خدا نے حکم دیا تھا کہ یہ راز اسے بتاؤ اور میرا یہ راز بتانا امر ربّی سے ہے میری طرف سے راز کی ابتداء نہیں ہوئی، اللہ نے راز بتایا اور وہی اس کے اور میرے دل میں بھیدوں کا القاء کرتا ہے، اس لئے میں اللہ کے حکم کی موافقت اور متابعت میں اِسے راز بتاتا ہوں۔

انؑ کی شجاعت کے ضمن میں غزوہ خیبر کا قصہ بھی مشہور ہے کہ آپؐ نے چند روز اصحابؓ کبار کو عَلَم دے کر جنگ کے لئے بھیجا، گھمسان کی لڑائی اور کشت و خون ہوا لیکن قلعہ کی فتح کی خبر میسر نہ آئی۔ ایک رات آپؐ نے فرمایا کہ کل میں ایک ایسے جوانمرد کو عَلَم دوں گا، جو جنگجو، صف شکن اور کرار غیر فرار ہے، خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں اور وہ خدا اور رسولؐ کو اور خیبر کی فتح اس کے ہاتھ سے ہو گی۔ تو آپؐ کے اکابر اصحابؓ مقربین میں سے ہر ایک نے وہ ساری رات اسی امید میں گذاری کہ وہ مرد شاید میں ہی ہوں اور یہ دولت مجھے ہی نصیب ہو۔ جب حضرت علیؑ نے یہ بات سنی تو ان کی یہ حالت تھی کہ ان کو آشوب چشم تھا، انہوں نے فرمایا:

"اللهم لا مانع لما اعطيت و لا معطي لما منعت"

"خدایا جسے تو عطا کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اس رات کے سوا کبھی امارت کی خواہش نہیں کی۔

جب صبح ہوئی تو حضورؐ خیمے سے باہر آئے اور فرمایا علیؑ ابن ابی طالبؑ کہاں ہے، لوگوں نے کہا کہ ان کی آنکھوں میں درد ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ آپؑ کو حضورؐ کے پاس لے گئے۔ آپؐ نے انہیں بغل میں لے کر اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں پر ملا، وہ اسی وقت شفایاب ہو گئے اور جنابِ امیرِؑ ولایت مآب سے منقول ہے کہ اس کے بعد ساری عمر نہ ان کو دردِ سر ہوا اور نہ آشوبِ چشم، افضل المخلوقاتؐ نے آپؑ کو اپنی زِرہ پہنائی، آپؑ کے چہرے پر نقاب ڈالا، آپؑ کی کمر پر ذوالفقار باندھی اور عَلَم عطا فرمایا اور جو جو نصیحتیں ضروری تھیں انؑ کو تلقین فرمائیں اور انہیںؑ رخصت کیا اور امیر مرتضیٰؑ یہ سرفرازی پا کر قلعہ کی طرف چل پڑے۔

قلعے کے نیچے آکر آپؑ نے عَلَم سیدھا کیا۔ ایک یہودی نے پوچھا کہ آج صاحبِ عَلَم کون ہے۔ اسے بتایا گیا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تو اس یہودی نے کہا کہ خدا کی قسم یہ شخص فتح کے بغیر نہ لوٹے گا، اے اہلِ خیبر آج تم مغلوب ہو گئے۔ القصہ خیبر کے جنگجو آتے رہے اور امیرؑ ان کو ضربِ ذوالفقار سے زمین بوس کرتے رہے، جب ان کے جنگجوؤں، سرداروں اور دلیروں مین سے سات (۷) شخص آپؑ کے ہاتھوں قتل ہو چکے تو آخر میں مرحب جوان کا رئیس اور خیبر کے یہودیوں میں سے سب سے شجاع تھا بہادری کے گیت گاتا برآمد ہوا۔ حضرت علیؑ نے اس کے مقابلہ میں یہ شعر پڑھا:

انا الذي سمانی امي حيدرة

ضرغام اجامٍ و ليث قسورةً

میں وہ شخص ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے میں جنگل کا شیر ہوں اور لیث قسورة (شیر کے نام)

کہتے ہیں کہ آپؑ نے شیروں کا تذکرہ اس لئے کیا کہ مرحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ شیر اسے کھا گئے ہیں اور ولایتؑ پناہ نے اسے اس خواب کی یاد دلائی تاکہ اس پر مزید خوف طاری ہو، مرحب نے اپنی تلوار کا وار کرنا چاہا کہ امیر المومنینؑ نے اس کے سَر پر تلوار ماری جو اس کے خود اور دو زرہوں کو جو اس نے اوپر نیچے پہن رکھی تھیں کاٹتی ہوئی اس کے جوڑوں تک پہنچی اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، یہودی شکست کھا گئے، یہودی قلعے کی طرف بھاگے تو امیر المومنینؑ ان کو مارتے گراتے آگے بڑھے حتیٰ کہ ایک یہودی نے آپؑ کے ہاتھ پر تلوار ماری تو سپر آپؑ کے ہاتھ سے گر گئی۔ امیرؑ ولایت پناہ نے غضب میں آکر اپنا رُخ قلعے کی طرف کیا اور آہنی دروازے کے ایک حصے کو اکھاڑ کر اپنی سپر بنایا اور قلعہ فتح کیا۔ جب انہوں نے آپؑ کے بازو مبارک کی قوت دیکھی تو امان طلب کی اور جو کچھ آپؑ فرماتے گئے انہیں اسی طرح قبول کیا۔ کہتے ہیں کہ جب یہودیوں نے شکست تسلیم کر لی تو آپؑ نے اس دروازہ کو اچھال کر پس پشت پھینکا جو آپؑ سے اسی (۸۰) بالشت دور جا گرا۔ بعد میں چالیس (۴۰) تنومند اشخاص نے ایک دوسرے کی مدد سے اُسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن اٹھا نہ سکے۔ جب آپؑ واپس آئے تو آنحضورؐ، آپؑ سے بغلگیر ہوئے اور آپؑ کا دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور کہا میں تجھ سے راضی ہوا۔ امیر المومنینؑ گریہ کرنے لگے تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ خوشی کا گریہ ہے یا غم کا، فرمایا کہ میں خوشی سے کیوں نہ پھوٹ پڑوں کہ آپؐ مجھ سے راضی ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہ صرف میں تجھ سے راضی ہوا ہوں بلکہ حق سبحانہ وتعالیٰ، سارے فرشتے، جبرائیل و میکائیل تجھ سے راضی ہیں۔

یہ آپؑ کی شجاعت ہی تھی کہ خندق کے دن جب عمرو بن عبدالود جو دلیرانِ عرب میں سب سے مشہور تھا اور وہ اسے ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں کھڑا کرتے تھے، بے دھڑک میدان میں آیا اور گھوڑا

دوڑاتے ہوئے مبارزت طلب کی، تو آنحضرتؐ نے فرمایا کوئی شخص ہے جو مجھے اِس دشمن کی شر سے بچائے۔ شاہ ولایت علی المرتضیٰؑ نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اُس سے جنگ کروں، سرور کائناتؐ نے انہیں ذوالفقار عنایت کی اور مسلح کر کے اجازت عطا کرتے ہوئے دعا کی:

"اللّٰهم اعنه عليهِ"۔ "خدایا، علیؑ کو عمرو بن عبدالود پر فتح نصیب فرما"

اور ساتھ ہی ساتھ گریہ وزاری کرنے لگے کہ الٰہی بدر کے دن تو نے مجھ سے عبیدہؓ کو لے لیا، اُحد کے دن حمزہؓ کو مجھ سے جدا کیا، خدایا یہ میرا بھائی علیؑ ہے یہ میرے چچا کا بیٹا ہے۔

"رب لا تذرنی فرداً وّ انت خير الوارثين"۔ "مجھے تنہا نہ کرنا تو بہترین وارث ہے" اس کی موت میری تنہائی کا باعث ہو گی۔

جب وہ دونوں میدان میں آمنے سامنے ہوئے تو حضرت علیؑ المرتضیٰ نے کہا کہ اسلام قبول کر لو اور اِسے سمجھایا لیکن اس نے اسلام قبول نہ کیا تو آپؑ نے کہا آؤ ہم دو دو ہاتھ نہ کر لیں۔ عمرو نے کہا کہ میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ عرب کے دلیروں مین سے کوئی میرے ساتھ لڑنے کی خواہش کرے گا اور جب اس مکالمے میں وہ ایک دوسرے کے نزدیک ہوئے تو ایسا غبار اٹھا کہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو گئے کچھ دیر بعد اسدؑ اللہ الغالب نے تکبیر بلند کی جو آنحضورؐ کی سمع مبارک تک پہنچی اور آپؐ کے دوستوںؓ نے سنا تو وہ سمجھ گئے کہ انہوں نے عمرو کو ہلاک کر دیا ہے۔ وہ خدا کا شکر بجالائے۔ خندق کے روز حضرت علیؑ کے ہاتھوں عجیب وغریب کارنامے سرانجام پائے۔ اسی بناء پر آنحضرتؐ نے فرمایا:

"مبارزة علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیمة"۔ "یوم خندق علیؑ کی کافروں سے جنگ روزِ قیامت تک میری امت کے تمام اعمال میں سے افضل ہے" الروضه میں اسی طرح ہے۔

آپؑ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور ایک رکاب میں پاؤں ڈالتے تو گھوڑے پر بیٹھتے بیٹھتے پورے قرآن کی تلاوت کر لیتے، میں یہ عرض کرتا ہوں کہ جب شاہِؑ ولایت کی کرامات میں سے یہ قصہ میرے کانوں تک پہنچا تو باوجود اس کے کہ مجھے اس پر کوئی شک وشبہ نہ تھا، لیکن اس بات میں تردد اور حیرت رہتی تھی کہ یہ کیسے ہو جاتا تھا۔ الحمدللہ اس کا احسان ہے کہ ایک رات میں نے آنحضورؐ کے روضہ مبارک کی خواب میں زیارت کی جس کے گرداگرد عجیب وغریب اور حسین و جمیل قناتیں لگی ہوئی تھیں اور خیر البشرؐ کی مجلس اپنی ہیئت اور خوبصورتی میں ایسی تھی کہ اس سے بڑھ کر تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

؎ باصد ہزار دیدہ فلک در ہزار قرن　　مجلس باین تراوت و خوبی ندیدہ بود

"آسمان نے لاکھوں آنکھوں کے ساتھ، ہزاروں صدیوں میں اتنی خوشگوار اور خوبصورت مجلس نہ دیکھی ہو گی"۔

آپؐ نے امیر المومنینؑ کو اشارہ فرمایا کہ قرآن پڑھیئے، آپؑ نے ابتداء سے قرآن پڑھنا شروع کیا اور ایک لحظہ میں جو اٹھنے اور گھوڑے پر سوار ہونے یا اس سے کمتر ہو آپؑ نے قرآن مجید ختم کر لیا اور حاضرینِ مجلس اُسے سننے سے شرف یاب ہوئے۔ "رزقنا تقربهم فی الدنیا والاخرة"۔ اور مجھ حقیر کی نظر میں یہ ایسے ہی ہوا جیسے بجلی کئی سالوں کا راستہ ایک گھڑی میں طے کرتی ہے اور اسی وقت مجھے یہ ندا سنائی دی، اس کی زبان کو حق سبحانہٗ نے بجلی ایسی روانی اور تیزی عطا کی ہے اور میرے دل میں جو اس روایت کے بارہ میں کھٹکا تھا وہ جاتا رہا۔ الحمدللہ۔

انہیؑ کے بارہ میں ہے کہ ہر شب انؑ کی خوابگاہ سے تکبیرۃ الاحرام کی ہزار آوازیں بلند ہوتی تھیں اور وہ درگاہِ خداوندی کے خدام تک پہنچتی تھیں، اگر یہ تحریمہ دو رکعتوں کے لئے ہوتا تو یہ دو ہزار رکعتیں اور اگر چار رکعتوں کے لئے تو یہ چار ہزار رکعتیں بنتیں، امام اعظمؒ آخری بات کو درست قرار دیتے ہیں۔

اس طرح آپؑ ہر شب چار ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے اور یہ آپؑ کی کرامت کی وجہ سے ہے کہ غروب کے بعد سورج آپؑ کی دلجوئی کے لئے دوبار پلٹ آیا، پہلی بار جب خیبر سے واپسی پر عصر کی نماز آپؑ سے چھوٹ گئی کیونکہ آنحضرتؐ نے عصر کی نماز کے بعد اپنا سرِ مبارک امیرِ مرتضیٰؑ کے پہلو میں رکھا کہ وحی نازل ہونا شروع ہو گئی اور وہ اتنی لمبی ہو گئی کہ سورج ڈوب گیا اور جب وحی ختم ہوئی تو حضورؐ نے پوچھا کہ اے علیؑ! کیا تو نے نماز پڑھ لی تھی، آپؑ نے فرمایا جی نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت علیؑ نے اشاروں سے نماز ادا کی تھی۔ آنحضورؐ نے التجا کی، الٰہی! اگر علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا تو سورج کو واپس کر، تا کہ وہ عصر کی نماز ادا کر سکے۔ سورج مغرب سے واپس آیا۔ سب لوگوں نے اس منظر کو دیکھا حتیٰ کہ مرتضیٰ علیؑ نے نماز ادا کی اور جب وہؑ نماز ادا کر چکے تو سورج پھر غروب ہو گیا تفسیر مواهب میں ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ حدیث مشہور ہے۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور احمد بن صالح نقل کرتے ہیں کہ اہلِ علم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس حدیث کو حفظ کرنے میں سستی کریں کیونکہ یہ علاماتِ نبوت میں سے ہے۔

دوسری بار آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جب امیر المومنینؑ بابل کے سفر پر تھے اور دریائے فرات سے گذر رہے تھے اور ان کے کچھ اصحاب نے تو نمازِ عصر بروقت پڑھ لی اور بعضوں سے یہ نماز اس لئے چھوٹ گئی کہ وہ چارپاؤں کی نگہداشت میں مشغول تھے۔ آپؑ نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی، جسے قبولیت عطا ہوئی اور سورج نمازِ عصر کے مقام پر واپس آیا، اُن لوگوں نے نماز ادا کی اور جب وہ سلام پھیر چکے

تو سورج غروب ہوا اور ہر دو مرتبہ سورج سے انتہائی ہولناک اور ڈراونی آوازیں سنائی دیں۔ تفسیر مواهب اور روضة الاحباب اور شواهد نبوت کے مصنفین کے کلام کا یہی مطلوب ہے۔

یہ آپؑ کی کرامت اور عظمت ہے کہ زمین آپ کرم اللہ وجہ سے گفتگو کرتی تھی اور اپنے اوپر گذرنے والے واقعات کی خبر ان کو بہم پہنچاتی تھی، جیسا کہ جنابِ فاطمہؑ الزهرا سے منقول ہے کہ شبِ عروسی مجھے خوف آیا کہ زمین آپؑ سے مخاطب ہے۔ میں نے یہ قصہ آنحضورؐ کے سامنے بیان کیا۔ آپؐ ایک طویل سجدہ میں پڑ گئے، بعد میں سر اٹھایا اور فرمایا کہ اے فاطمہؑ! تجھے بشارت ہو کہ خدا تعالیٰ نے تیرے شوہر کو تمام مخلوق پر بزرگی اور نسل کی فضیلت عطا فرمائی اور زمین کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ اپنے واقعات بیان کرے، یعنی جو کچھ اس پر مشرق سے مغرب تک گذرتا ہے۔ عبدالرحمن جامیؒ نے شواهد نبوت میں اسی طرح تذکرہ کیا ہے۔

آپؑ کی جنگوں اور آپؑ کے ہاتھوں موت کی گھاٹ اترنے والوں کی تعداد اور آپؑ کے مخالفوں کی کئی کہانیاں اور ان کی تردید کا شمار ممکن نہیں اور جو خبریں آپؑ نے ماضی کے متعلق دیں اور جو جو پیشگوئیاں مستقبل کے بارہ میں کیں وہ لاتعداد اور بے حساب ہیں اور ان میں سے اغلب درست پائی گئی ہیں اور اس قسم کی کرامات اور خوارق عادات اور گذشتہ اور آئندہ کے بارہ میں اطلاعات جو وراثتاً آپؑ کی اولاد میں سے آئمہ کرامؑ کے ذریعہ جو نص قاطع کی رُو سے مغفور ہیں ہم تک پہنچتی ہیں ان کی گنتی محال ہے اور یہ رسالہ ان سب کے تذکرہ کی وسعت ہی نہیں رکھتا۔

فضل الخطاب، شواهدِ نبوت اور شرفِ سادات میں اور ان کی تشریحات میں ان احادیث، تفسیروں اور سیرتوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور یہ سب اللہ کی قدرت کے طفیل اور اس افضلِ اول وآخر کے صدقہ میں ہے جو اس مظہر العجائب والغرائب کرم اللہ وجہ سے سرانجام پائیں۔

روشن دیدار، رُخ تاباں، خوبصورت اور کھلا با کمال چہرہ، سیاہ آنکھیں، پیٹ بڑھا ہوا، قد چھوٹا، رنگ سرخی مائل گندم گوں، ہنس مکھ، چودھویں کے چاند کی طرح کھلا ماتھا، بھرا ابھرا جسم جس پر گھنے بال، مضبوط اور منصور دل، علم کو وسعت دینے والا، زہد و عبادت میں کثرت کرنے والا، دل کا سخی، رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجہ۔ آپؑ کی خلافت پانچ (۵) سال اور فضل الخطاب کے مطابق چار (۴) سال اور نو (۹) ماہ اور آپؑ کی عمر بقول المختار تریسٹھ (۶۳) سال تھی۔ آپؑ کے القاب امین، شریف، هادی، یعسوب المومنین و المسلمین، ابو ریحانین و ابوتراب و مرتضیٰ و اسداللہ اور حیدر ہیں۔ آپؑ کو ان القاب میں سب سے زیادہ ابوترابؑ پسند تھا کیونکہ آنحضرتؐ نے خود اس لقب سے انؑ کو ملقب فرمایا تھا۔

آپؓ کا قول مبارک ہے :

"لو کشف الغطاء ما زدت یقیناً"

"اگر غیب کے سارے پردے بھی میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ کرپائیں گے کیونکہ میرا حق الیقین اسی طرح قائم رہے گا۔"

آپؓ کا ہی قول ہے :

"استراحته النفس فی الیاس "

"لوگوں سے ناامید اور بے نیاز رہنے میں ہی آزادی ہے"

آپؓ فرماتے ہیں :

"دواء القلب الرضاء بالقضاء و داء النفس الحرص"

"دل کا دارو رضا بہ قضا ہے اور اس کی مصیبت لالچ جو دنیا کے مال و متاع سے ہوتی ہے'

"و قد نجا من عمل بھا"

"اور جس شخص نے رضا بہ قضا کو اپنایا اسے ہی نجات ملی۔"

تنبیہ :

خلفائے راشدین کی فضیلت ان کے دورِ خلافت کی ترتیب سے ہے یعنی پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ، دوسرے درجہ پہ حضرت عمر فاروقؓ، تیسرے پہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ۔ بہر حال اہل سنت میں سے بعض آئمہ مثلاً حسنؒ بصری، سفیان ثوریؒ اور ابوبکر خزیمہؒ جو اہل کوفہ میں سے ہیں حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتے ہیں اور اسی طرح کی ایک روایت امام اعظمؒ سے بھی ہے۔ اور اسلافِ اہل سنت و جماعت میں سے مثلاً امام مالک اور امام الحرمین افضلیت حسنینؓ میں تامل کرتے ہیں اور چونکہ خلفائے راشدینؓ کے بارہ میں احادیث اور اقوال متفرق ہیں مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے بارہ میں جب آپؐ نے یہ فرمایا کہ کسی قوم کو نہیں سجتا کہ اس کے درمیان ابوبکرؓ ہو اور کوئی اور اس کی امامت کرے یا میرے صحابہؓ میں سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکرؓ کے ہیں، میں نے روئے زمین پر جس شخص کو اپنے بعد سب سے پہلے پایا وہ ابوبکرؓ ہیں وغیرہ۔ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارہ میں حدیث وارد ہوئی ہے کہ عمرؓ سے بہتر کسی بندے پر سورج طلوع نہ ہوا اور آپؐ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً عمرؓ بن خطاب، انہی کے بارہ میں آپؐ فرماتے ہیں کہ خیر میں عمرؓ سے بہتر سوائے قرآن کے کسی کا قول نہیں اور آپؐ فرماتے ہیں کہ قرآن جو یہ کہتا "الحق ینطق علی لسان"

کہ اس کی زبان پر جو حق جاری ہے اس کا مصداق عمرؓ ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شان میں یہ بات آچکی ہے کہ وہ اپنی سیرت و صورت میں حضرت ابراھیمؑ خلیل اللہ اور محمد رسول اللہؐ سے مشابہت رکھتے تھے اور آنحضرتؐ نے اپنی دو بیٹیاں ان کے عقد میں دیں جو سعادت کسی اور کے حصے میں نہ آئی اور آنحضورؐ نے فرمایا کہ میں نے جبرائیل کے پَر پر اور عرش کے ہر ستون پر عثمانؓ کا نام لکھا دیکھا ہے اور اسی طرح ان کا نام جنت میں لکھا پایا ہے۔ امیر المومنین علیؓ کی منقبت میں فرماتے ہیں کہ تیرا مقام میرے نزدیک ایسا ہے جیسے ہارونؑ کا موسیٰؑ کے نزدیک لیکن فرق یہ ہے کہ تو پیغمبر نہیں، ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اے اللہ اس کو دوست رکھ جو علیؓ کو دوست رکھتا ہے اور اس ضمن میں بہت سی روایتیں ہیں، خدایا! اس کی مدد کر جو علیؓ کی مدد کرتا ہے اور اس کی مدد نہ کر جو علیؓ کو جھٹلاتا ہے اور اس کی مدد نہیں کرتا۔ اے خدا حق کو ادھر پھیر دے جدھر علیؓ جائے پھر فرمایا یقیناً جس نے علیؓ کو گالی بکی اس نے مجھے گالی بکی اور اسی ضمن میں آنحضورؐ فرماتے ہیں کہ علیؓ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؓ کے ساتھ۔

مواھب میں اس آیت "والذین معه اشدآء علی الکفار رحماء بینھم ترھم رکعاً سجداً" کی یوں تفسیر کی ہے کہ یہ تمام صحابہؓ کی شان میں ہے اور خاص طور پر ان لوگوں کی شان میں جو آپؐ کے ساتھ رہے، صدیقؓ جو گھر میں اور غار میں آپؐ کی رفاقت کی وجہ سے والذین معه کے مصداق ہیں، عمر فاروقؓ کفار پر سخت گیر ہونے کی وجہ سے اور اہل شرک و نفاق کے حد درجہ مخالف ہونے کی بناء پر اشدآء علی الکفار کا مصداق تھے اور رحماء بینھم ذوالنورینؓ کی تعریف میں ان کی حیاء، دلنوازی اور وفا کی وجہ سے، رکعاً سجداً کا مصداق علیؓ مرتضیٰ ہیں کہ جو اپنے زیادہ تر اوقات وظائف اور عبادت میں گذارتے تھے حتیٰ کہ ہر رات ایک ہزار بار ان کے خلوت خانہ سے تکبیرۃ الاحرام کی گونج خدامِ عرش تک پہنچتی تھی، یہاں پر یہ بات ختم ہوئی۔

خلفائے راشدین میں سے ہر ایک کی فضیلت، وصف اور خاصیت میں دوسرے بھی شریک ہیں اگرچہ ایک کے بارہ میں زیادہ شہرت اور تذکرہ ہو گیا ہے اور اگر کسی ایک سے مخصوص فضیلت میں دوسرا شریک نہیں تو وہ اس کے مقابلہ میں افضلیت میں پیچھے رہ جاتا ہے، جیسے اکابر صحابہؓ مثلِ عثمانؓ، طلحہؓ وزبیرؓ وغیرہ، صدیقِ اکبرؓ کے مقابلہ میں ان کی فضیلت صداقت، سکونِ قلبی، وقار اور ہدایتِ اسلام کے سلسلے میں ان سے کمتر ہیں اور حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں ان کی عدل گستری، جلال، قوتِ نفاذِ اسلام اور مخالفین پر دباؤ اور اس ضمن میں اپنوں تک کی گردن مارنے سے گریز نہ کرنے میں اور حیاء داری، دلنوازی، تواضع اور حضورؐ کی دو بیٹیوں کے ان کی زوجیت میں ہونے کے شرف سے ذوالنورینؓ اور حضرت علیؓ کو ان کے علم، شجاعت، زہد اور خیر النساءؓ کے ہمسر ہونے اور حسنینؓ کے والد ہونے اور آنحضرتؐ سے قربت ایسے

فضائل امیر حیدر کرم اللہ وجہہ کو حاصل تھے وہ افضلیت کی ترتیب نہیں بدل سکتے۔

کئی بار ایک موتی بہت سارے موتیوں کے مقابلے میں بیش قیمت ہوتا ہے اسی لئے اہل سنت فضیلت کو کثرتِ ثواب کا معیار قرار دیتے ہیں اور بعد میں آنے والوں کے لئے اپنے متقدمین کی اتباع کرنا اور ان کے بارہ میں حسنِ ظن رکھنا لازم ہے اور یہ یقین رکھنا چاہئیے کہ ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی کہ جس بات پر ان کے پاس دلیل نہ ہوتی تھی وہ اس پر حکم صادر نہ کرتے تھے اور نہ ہی اس پر اتفاق کرتے تھے۔ یہ قاضی عضد و آمدی و تا فتازاني و ابن حجر کے خیالات کا خلاصہ ہے۔ شیخ عبدالحق تکمیل ایمان اور اس کی شرح میں بیان کرتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کو تمام اوصاف اور فضائل میں دوسرے پر فضیلت حاصل ہو جیسے بعض متعصبین اس سلسلے میں تجاوز کر جاتے ہیں۔ یہ محض باطل ہے اور اہل سنت و جماعت کے مذھب کے مطابق نہیں۔

"واللہ یختص برحمته من یشآ واللہ ذوالفضل العظیم"

خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس پر اپنی خصوصی رحمت فرماتا ہے اور خدا کے فضل عظیم کی نہ کوئی حد ہے اور نہ اس کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے وہ جو کچھ، جتنا کچھ اور جس کسی کو دینا چاہے دیتا ہے اور اس کی عنایات کو کوئی روک نہین سکتا اور ہمیں اس عقیدہ پر محکم اور مستقیم رہنا چاہئیے۔ یہاں پر بات ختم ہوئی۔

اس کے بعد مؤدت و فضائلِ اہلِ بیتِ نبیؐ پر کتاب بضعةالاربعین کا اختتام کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں سینتالیس (۴۷) احادیث شامل ہیں۔ میری یہ خواہش تھی کہ کتاب کو آلؑ و اولادؑ پیغمبرؐ کے مناقب اور فضائل کے تذکرے سے مکمل کروں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی اس محبت اور موالات، جو تمام مومنوں پر فرض ہے، کی برکت سے میرا خاتمہ بالخیر کرے۔

اختتامیہ

مودّت و فضائلِ اہلِ بیتؑ

اس باب میں فضائلِ اہلِ بیت کے بارہ میں دو حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

ابتدائیہ : 103

پہلی حدیث : 105

" من احبنی و احب هذین الصبیین و اباهماوامهماکان معي فی الجنة یوم القیٰمة "

دوسری حدیث : 110

"الاومن مات علی حب آلِ محمد مات مستکمل الایمان"

ابتدائیہ :

اس باب میں بے شمار روایات اور احادیث ہیں کہ آنحضرتؐ کے اہل بیت سے محبت خاتمہ بالخیر کا سبب اور جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ ہے اللہ ہمیں ان کی محبت سے نوازے اور اللہ ہمیں ان لوگوں کی محبت اپنے فضل وکرم سے عطا کرے جو اہل بیتؑ سے محبت رکھتے ہیں۔

لفظ اہل بیت کا اطلاق بہت سے معنوں میں آیا ہے، مثلاً وہ لوگ جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ بنو ھاشم ہیں جن میں آلِ علیؑ، آلِ جعفرؓ و عقیلؓ و حارثؓ شامل ہیں۔ اہل و عیال کے معنوں میں اگر لیا جائے تو ان میں ازواج مطہراتؓ، حسنؑ و حسینؑ شامل ہیں اور علیؑ مرتضٰی، آنحضرتؐ سے رشتہ داری اور ان کی بیٹی کا ہمسر ہونے کی وجہ سے اہل بیت میں شامل ہیں اور آنحضورؐ نے انہیں کئی بار اپنے اہل بیت میں شمار فرمایا۔ بعض علماء نے توجیہہ کی ہے کہ بیت تین صورتوں میں ہوتا ہے نسب کی وجہ سے، سکونت کی وجہ سے اور پیدائش کی وجہ سے۔ پس بنو ھاشم و اولادِ عبدالمطلب نسب کے لحاظ سے آپؐ کی اہل بیت ہیں، جد کی اولاد اقرباء میں سے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو فلاں بزرگ کا گھرانہ ہے یا وہ فلاں کے گھرانہ سے ہیں۔ آنحضرتؐ کی ازواجؓ مطہرات بیت سکنی کی وجہ سے اہلِ بیت ہیں اور اہلِ بیت کہلاتی ہیں جیسا یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے اتنے گھر یا اتنے اہل خانہ ہیں اور یہ ترکیب کثرت سے استعمال ہوتی ہے اور وہ جو پیدائش کے لحاظ سے آنحضورؐ کی اولاد میں شامل ہیں، جن میں علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ سب سے زیادہ افضل اور باکرامت ہیں اور انہی سے مودت ممتاز اور مخصوص ہے کیونکہ وہی لفظ اہلِ بیت کا مصداق ہیں۔

شیخ اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ لفظ اہلِ بیت اس طرح استعمال ہوا ہے کہ اس کا مفہوم اور اختصاص انہی چار پاکیزہ نفوس سے ہے اور ان کے فضل و کرم میں لاتعداد احادیث ہیں جن کا احاطہ کرنا محال ہے، چنانچہ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب نمازِ فجر کے لئے حضرت فاطمہؑ کے گھر سے گذر کر آتے تو فرماتے

"الصلوۃ یا اھل البیت انماء یریداللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا"

نیز حضرت اُم سلمیٰؓ روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ میری مسجد سے کسی حائضہ عورت یا جنبی مرد کا گذرنا حرام ہے ماسوائے محمدؐ اور اس کی اہلِ بیت کے جو علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ (خدا انؓ پر اور انؓ کے والدؓ پر راضی ہو) سے روایت کرتی ہیں کہ ایک دن آنحضورؐ پھولدار اونی شال پہنے ہوئے اپنے گھر سے باہر تشریف لائے، جس کے بعد حسنؑ ابن علیؑ کو آپؐ نے شال کے نیچے لیا ان کے بعد حسینؑ ان کے بعد جناب فاطمہؑ اور سب سے آخر میں علیؑ، اسی طرح

آتے گئے اور آنحضورؐ انہیں چادر کے نیچے اپنے ساتھ لیتے گئے اور جب یہ ہو چکا تو آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

" انماء یریداللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا"

"اللہ اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ وہ اہلِ بیت پیغمبرؐ سے گناہوں کو دور کرے اور وہ تمہیں ایسے پاک کرے جیسے پاک کرنے کا حق ہے"

اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جو عشرہ مبشرہؓ میں سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیتہ مبارکہ اتری

'فقل تعالواندع ابنآء ناوابنآ ء کم و نسآ ء ناونسآء کم وانفسناوانفساکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللّٰہ علی الکاذبین"

"پس کہہ دیجئے (اے عیسائیو!) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنوں کو اور تم اپنوں کو لے آؤ، اس کے بعد گریہ وزاری کریں اور خدا سے دعا کریں کہ ہم دونون میں جو بھی جھوٹا ہے اس پہ وہ لعنت کرے"

اس کے بعد رسولِ خدا اس حال میں آئے کہ انہوں نے حسنؑ اور حسینؑ کو اپنی بغل میں اٹھایا ہوا تھا آپؐ کے پیچھے فاطمہؑ اور ان کے بعد علیؑ تھے اور آپؐ نے ان چاروں سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا، جب عیسائیوں کے پیشوا نے یہ دیکھا تو اپنی قوم سے کہا تم پر افسوس! میں وہ چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکے تو یقیناً خدا پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھاڑ پھینکے گا اس لئے ان سے مباہلہ نہ کرو نہیں تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تم بیخ و بن سے اکھیڑ دیئے جاؤ گے۔ پس انہوں نے شکست تسلیم کرلی اور جزیہ ادا کرنا قبول کرلیا۔

آنحضورؐ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو ان کی شکلیں بندروں اور سؤروں کی طرح مسخ کردی جاتیں اور ان تمام کے لئے آگ کے الاؤ جلتے اور یہ اپنی بیخ و بن سے اکھڑ جاتے اور وہ آگ انہیں اور اس وادی کے درختوں اور پرندوں کو بھون ڈالتی۔ بات کچھ بھی ہو اہلِ بیت کا اطلاق جیسا کہ واضح اور مشہور ہے انہی چار معصومینؑ پر ہوتا ہے۔

شیخؒ اپنی شرح میں خواجہ محمد پارساؒ سے فضل الخطاب میں اسی طرح بیان کرتے ہیں

اور یہاں دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی حدیث :

" من احبنی و احب هذین الصبیین و اباهما وامهما کان معی فی الجنة یوم القیمة "

" جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اور ان دو بچوں سے اور ان کے ماں باپ سے محبت کرتا ہے وہ قیامت کے دن میرے برابر بہشت میں مقام حاصل کرے گا، یعنی میری محبت کی بناء پر وہ مجھ سے جدا نہ ہوگا "

باوجود اس کے کہ آنحضورؐ کا مقام کتنا بلند اور کتنا معزز ہے کہ وہاں تک سوائے ان کے نورِ محبت اور ان کے کسی کو اپنا لینے سے پہنچنا ممکن نہ ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ کے محبوں اور ان کی اتباع کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ پوری تگ و دو سے ان کی معیت اور قربت کا شرف حاصل کریں جن کی عنایات کی کوئی غایت نہیں جن سے وہ بہرہ مند ہوں گے۔

آپؐ نے فرمایا کہ جو بھی علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ سے جنگ کرتا ہے وہ مجھ سے جنگ کرتا ہے اور جو ان سے صلح کرتا ہے وہ مجھ سے صلح کرتا ہے، جو ان کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے اور جو ان کا دوست ہے وہ میرا دوست ہے، اور آنحضورؐ کی محبت میں کمال حاصل کرنے کا یہی ذریعہ ہے۔

ایک اور حدیث یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو بھی علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ سے جنگ کرتا ہے میری اس کے ساتھ جنگ ہے اور جو ان سے صلح کرتا ہے اس کے ساتھ میری صلح ہے، یعنی ان کا دشمن میرا دشمن اور ان کا دوست میرا دوست ہے، اور یہ محبت کے کمال کا مقام ہے۔

تفسیر مدارك، بیضاوی اور مواہب میں یہی روایت ہے کہ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کے کون سے وہ رشتہ دار ہیں جن سے محبت رکھنا ہمارے لئے واجب ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ علیؑ، فاطمہؑ اور انؑ کے دونوں بیٹے۔

خواجہ محمد پارساؒ نے کتاب فصل الخطاب میں اسی حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ یہ چار ہستیاں وہ ہیں جن کی تعظیم چند وجوہات سے مخصوص کر دی گئی ہے،

اول: اللہ کا قول ہے۔

"قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودۃ فی القربی"

" کہو میں نہیں چاہتا کہ تم سے اپنی رسالت کی کوئی اجرت مانگوں سوائے اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے مؤدت کرو۔

دوم: یہ کہ آنحضرتؐ ان سے پیار کرتے تھے اور یہ بات اسنادِ متواتر سے ثابت ہے اس لئے ساری امت پر ان کی مودت فرض ہے۔ جیسے حضورؐ کے فرمان کی اتباع کیونکہ اللہ فرماتا ہے

"واتبعوه لعلکم تهتدون" : "رسول کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پالو"۔

سوم: یہ کہ آلِ پیغمبرؐ کے حق میں دعا عظیم مرتبہ رکھتی ہے اس لئے اس دعا کو نماز میں تشہد کے خاتمہ پر لازمی قرار دیا گیا ہے اور اس سے بڑی عظمت تو آنحضورؐ کی آل کے علاوہ کسی اور کے لئے ہو ہی نہ سکی۔

اسی کتاب میں ذکر ہے کہ رسولؐ کے اہل قرابت سے دوستی کی خوشخبری ان کے ساتھ محبت کرنے والوں کے لئے ہی ہے کیونکہ مودت روحانی مناسبت کا تقاضا کرتی ہے اور یہ ایسے لوگوں کو میدانِ حشر میں یکجا کرنے کا وسیلہ ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر آدمی اس شخص کے ساتھ اٹھایا جائے گا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔

کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کی روح میں تو بغض ہو اور وہ ان کی محبت کو پالے، ایسی روحیں متعفن اور پلید ہوتی ہیں اور یہ ان لوگوں کی محبت اور مودت سے کب سرفراز ہو سکتی ہیں۔ اہل توحید اور روشن دلوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ان ہستیوں سے خدا اور رسولؐ کی خاطر محبت رکھیں کیونکہ یہ آنحضورؐ کے محبوب اور مطلوب تھے۔ اور آنحضرتؐ کی دوستی عین خدا تعالیٰ کی دوستی ہے اور یہ چار ہستیاں جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے بالتحقیق آنحضرتؐ نے امت سے ان کے علاوہ کسی کی محبت و مودت کی خواہش نہیں کی اور ان کی اولاد میں سے جو لوگ ان کے راستے پہ چلے اور جنھوں نے ان کی روش کی اتباع کی وہ بھی اس حکم کی ذیل میں آتے ہیں اور ان کے حق میں بھی حضورؐ نے یہی فرمایا کہ ان سے احسان اور محبت کی جائے اور ان کے ساتھ ظلم کرنے یا انہیں ایذا پہنچانے سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے جس نے میرے اہلِ بیت پر ظلم کیا اور مجھے میری اولاد کے ساتھ ظلم کرنے سے دکھ پہنچایا۔ یہ مضمون متذکرہ بالا کتاب سے لیا گیا ہے یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ آزارِ اہلِ بیت آنحضرتؐ کو متاثر کرتا ہے۔

اہلِ سنت والجماعت کے اکابرین مانند احمدؒ ابن حنبلؒ، یزید شقی پر لعنت کرتے ہیں اور ابن جوزی جو اہلِ سنت کے متعصبین میں سے ہیں اپنے متقدمین علماء کی سند پر یزید پر لعنت کے فتوے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ تکمیل الایمان میں روایت ہے کہ حضرت فاطمہؑ اور ان کی اولاد سے بغض رکھنا، ان کو دکھ پہنچانا اور ان کی توہین کرنا ایسے ہی ہے جیسے رسول اللہؐ کے ساتھ بغض رکھا جائے، ان کی توہین کی جائے اور ان کو دکھ پہنچایا جائے اور وہ مستوجب کفر ہے اور بلاشبہ وہ مستوجب لعنت ہے اور تادوام جہنم کی آگ میں ڈالے جانے کا باعث ہے۔

"ان الذین یؤذون الله و رسوله لعنهم الله فی الدنیا والآخرة واعد لهم عذاباً مهیناً"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بلاشک وشبہ جو لوگ اللہ کو کفر اور معاصی کی وجہ سے دکھ پہنچاتے ہیں وہ بیشک پیغمبرؐ کو

ؑ کو دکھ پہنچاتے ہیں اور اس مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دور کر دیتا ہے اور ان کے لئے اس نے عقبیٰ میں ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ کیا مقام ہے کہ قرآن خود اس حکم کا حاکم ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یزید نے تو امام حسینؑ کے قتل کا حکم نہ دیا تھا اور نہ وہ اس پر رضامند تھا اور نہ انؑ کے اور انؑ کے اہلِ بیت کے قتل کے بعد وہ اس پر خوش ہوا تھا، ایک مردود اور جھوٹا دعویٰ ہے کیونکہ اس بدبخت کی اہلِ بیت نبوت سے دشمنی اور اس کا ان کے قتل پر بغلیں بجانا اور خوش ہونا اور ان کو ذلیل کرنا اور ان کی توہین کرنا اس سے بدرجہ تواتر ثابت ہے اور اس سے انکار صرف جھوٹ اور پردہ پوشی ہے یہ تکمیل الایمان سے لئے ہوئے حوالے ہیں۔

قاضی شہاب الدین، شرف السادات میں روایت کرتے ہیں کہ یہ بات تواتر سے ثابت ہوتی ہے کہ یزید لعین نے آنحضرتؐ کے خاندان کو ایذارسانی کا حکم دیا تھا اس کی رعایت کرنا گمراہی اور گھاٹے کا سودا ہے۔ اسی کتاب میں ذکر ہے کہ اس بدبخت کے ہاتھوں قتلِ حسینؑ خود جناب مصطفےٰؐ، ابن عباسؓ اور سارے چھوٹوں، بڑوں، مرد، عورتوں سے ثابت ہے اور اس وقت سے لے کر آج تک یہ بات بطور تحقیق شدہ حقیقت کے ثابت ہے کہ اس ملعون نے قتلِ امامؑ کا حکم دیا تھا، وہ اس پر رضامند تھا اور واضح روایات اس حقیقت کے ثبوت میں موجود ہیں، اس لئے اس پر بالاتفاق لعنت جائز ہے اور اس بات کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

سید محمد یوسفؒ چشتی قدس سرہ' جن میں سیادت، ولایت، علم اور رفعتِ شان اور بلاغتِ کلام یکجا جمع تھیں، روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ دو چیزیں بدعت ہیں ایک صورتِ قلندری اور دوسرے ان لوگوں کا کردار جو لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہوئے میری عزیز از جان ہستیوں کو قتل کرتے ہیں، ان کو پارہ، پارہ کرتے ہیں ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بناتے ہیں، انہیں ذلیل کرتے ہیں، انہیں ڈراتے دھمکاتے ہیں کیا اس کے بعد بھی ان کا ایمان باقی ہے، پناہ ان کے ایمان سے اور ان کے دین سے۔

اور زبدۃ العارفین مجدد الف ثانی شیخ احمد کابلی اپنے مکتوبات میں یزید شقی پر لعنت کے جواز میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: "ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ في الدنیا والآخرۃ"

نیز ھادی المسلمین اِلی اللہ میاں شیخ اسد اللہ مرحوم اور وسیلہء عرفان وہدایت میاں شیخ سعدی لاہوری نے مجھے بالمشافہ یہ بتایا تھا کہ انہوں نے ایک بڑے مجمع میں حضرت قدوۃ المحققین شیخ آدم قدس اللہ سرہ' العزیز کی مبارک زبان سے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اللہ سبحانہ' تعالیٰ نے ان کی آنکھ سے پردہ اٹھایا اور انہیں دوزخ کا نظارہ کرایا اور انہوں نے یزید شقی کو دوزخ میں دیکھا۔

فضل الخطاب میں روایت ہے کہ کربلا میں بنو ھاشم کے سترہ (۱۷) افراد قتل ہوئے، جن میں سے سات (۷) حضرت علیؑ کی اولاد سے، پانچ (۵) حضرت عقیلؓ کی اولاد سے اور دو (۲) بچے حضرت جعفر طیارؓ کی اولاد سے اور یہ چودہ (۱۴) کی چودہ (۱۴) ہستیاں اہل بیت میں سے تھیں، بنو ھاشم کے تین (۳) اور مقتولین بھی حضورؐ کے قرابت دار اور ہم نسب تھے۔ ان کے علاوہ بنو ھاشم کے مزید دس (۱۰) افراد مستورات کے ہمراہ قیدی بنائے گئے۔ اس لئے شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ المختصر وہ انسانوں میں سے۔ ہمارے نزدیک، مغضوب ترین انسان ہے کہ اس بدبخت نے وہ بدکاریاں کیں جو اس کے علاوہ اس امت میں سے کسی اور نے نہ کیں، اس نے قتلِ حسینؑ کے بعد اور اہانت اہل بیت کے بعد مدینہ مطہرہ کی تخریب اور اس کے اہالیان کے قتل کا اپنی فوج کو حکم دیا اور باقی ماندہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے سر قلم کرنے کو کہا، تخریب مدینہ کے بعد اس نے حرم مکہ معظمہ کو پامال کرنے اور قتلِ عبداللہؓ ابن زبیرؓ کا حکم دیا اور اسی اثناء میں وہ اس دنیا سے جہنم واصل ہوا۔

اے خدایا! ہمارے دلوں کو اور تمام مسلمانوں کے دلوں کو اس کی، اس کے حامیوں اور اس کے ساتھیوں کی محبت سے محروم رکھ اور جو جو اہل بیتؑ نبوت کے بدخواہ ہیں اور ان کے بارہ میں دشمنی رکھتے ہیں اور جنہوں نے بھی ان کا حق چھینا ان سے نہ ہمیں کوئی محبت ہے اور نہ ہمارا ان کے ساتھ صدق عقیدہ ہے اور نہ ہوگا۔ اے خدایا! ہمیں اس ضمن میں اپنی پناہ میں جگہ عطا فرما، ہمیں اور ہمارے دوستوں کو زمرہ محبانِ اہل بیت نبوت میں محشور کر اور ہمیں اس دنیا میں اور آخرت، میں انہی کے دین اور راستے پر قائم رکھ، اپنے احسان سے! اپنے کرم سے! اور ہمیں اپنی قربت اور امن سے نواز۔ اس جگہ تک شیخؒ موصوف کا قول ہے۔

ان چار پاکؑ ہستیوں کے بارہ میں اور ان کے فضل اور موالات کے بارہ میں بیشمار حدیثیں وارد ہیں کہ ان سب کو یہاں بیان کرنے سے میں معذور ہوں اور برکت اور یمن کے لئے ہر ایک کے بارہ میں ایک ایک روایت بیان کروں گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت اُمِ سلمہؓ جو ازواجؓ مطہرات میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو کوئی بھی منافق ہے وہ علیؑ کو دوست نہیں رکھتا اور جو کوئی بھی مومن ہے وہ علیؑ کا دشمن نہیں۔ اس لئے علیؑ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور اس کی عداوت نفاق کی نشانی ہے۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

بی بی فاطمہؑ الزھرا کے بارہ میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ! تو اس بات پر خوش نہیں کہ تو بہشت کی خواتین میں سے بہترین خاتون ہے۔ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت فاطمہؑ الزھرا کی تمام عورتوں پر حتیٰ کہ مریمؑ، آسیہؑ، خدیجہؑ اور عائشہؓ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت حسنؓ کے مناقب میں ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ حسنؓ کو کندھے پر بٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ اے بچے! تجھے کیا خوب سواری ملی، تو اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سوار بھی کیا خوب ہے، یعنی سواری بھی خوب ہے اور سوار بھی خوب شیخ قدس سرہ' اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گویا اس شخص نے حضرت حسنؓ کو اپنی نظر میں چھوٹا پایا اس لئے اس کے جواب میں حضورؐ نے یہ حدیث فرمائی اور اس میں حضرت حسنؓ کی مدح اور فضیلت کا کمال اور حضورؐ کی خوشنودی کی انتہا ہے۔

امام حسینؓ کے فضائل میں ام الفضلؓ جو عبداللہؓ ابن عباسؓ کی والدہ ہیں فرماتی ہیں کہ میں پیغمبرِؐ خدا کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ یا رسولؐ اللہ میں نے آج رات بہت برا خواب دیکھا ہے، آنحضورؐ نے فرمایا وہ کیا ہے تو آپؐ نے کہا کہ خواب حقیقتاً بہت سخت ہے جسے میں بیان نہیں کرسکتی، پھر آنحضورؐ نے فرمایا وہ خواب کیا ہے بیان کیجئے ام الفضلؓ نے کہا کہ میں نے دیکھا گویا آپؐ کے تن سے ایک ٹکڑا لیا گیا اور اسے میرے پہلو مین رکھ دیا گیا تھا، اس پر حضورؐ نے فرمایا، اے ام الفضلؓ! جو خواب تو نے دیکھا وہ تو بڑا اچھا ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو فاطمہؑ کے ہاں بیٹا ہوگا اور وہ تیرے پاس پلے بڑھے گا۔ اس کے بعد جناب فاطمہؑ سے امام حسینؓ کی ولادت ہوئی جو میرے پاس پلے بڑھے جیسا کہ پیغمبرؐ نے کہا تھا۔

ان چار ہستیوںؑ کے بعض خواص میں سے اس بات کا بھی تذکرہ ہے کہ اگر وباء کے نازل ہونے کے زمانہ [مصیبت کے وقت] میں کوئی شخص ان کلمات کو جو آنحضرتؐ کے اور ان کے اسمائے مبارک پر مشتمل ہیں اپنا ورد بنائے تو ان کلمات کی برکت سے اسے اور اس کے اہل و عیال کو خدا آفت اور وباء سے محفوظ فرمائے گا اور اگر وہ پڑھ نہیں سکتا تو اسے لکھے ہوئے اپنے گھر میں رکھے کہ یہ مجرب اور مشہور ہے اور وہ اس ترتیب سے ہے۔

پہلے کہے:

استغفراللہ من جمیع ماکرہ اللہُ قولاً وفعلاً او حاضراً او ناظراً او سامعاً

اور اس کے بعد:

لی خمسۃ اطفی بھا حرالوباء الحاطمہ

المصطفیٰ و المرتضیٰ وابنا ھما والفاطمہ

دوسری حدیث:

"الا ومن مات علی حب آلِ محمدؐ مات مستکمل الایمان"

"مطمئن اور آگاہ رہئے کہ جو شخص بھی اولادِ محمدؐ سے دوستی پر قائم رہتے ہوئے فوت ہو اوہ ایسے ہے کہ گویا اس نے اپنے ایمان کو کمال تک پہنچادیا ہو"

مطلب یہ ہوا کہ جو بھی محبت اولادِ پیغمبرؐ دل میں لئے مرتا ہے وہ ایمان کے کمال کے ساتھ مرتا ہے۔

فصل الخطاب اور شرفِ سادات میں ایک اور حدیث اس طرح ہے کہ جو بھی آلِ محمدؐ کی محبت کے ساتھ مرتا ہے وہ شہید مرتا ہے اور جو انؑ کی دوستی پر مرتا ہے وہ مغفور ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ جو آلِ محمدؐ کی دوستی دل میں لئے مرتا ہے خدا اُسے جنت میں اس شان و شوکت سے بھیجتا ہے جیسے دلہن کو سسرال بھیجا جاتا ہے۔ آلِ محمدؐ کی دوستی میں مرنے والے کو ملک الموت جنت کی بشارت دیتا ہے اور اس کے بعد منکر نکیر، دوستیء آلِ محمدؐ پہ مرنے والا سنت و جماعت میں سے اٹھایا جاتا ہے کہ سنت آنحضرتؐ کے قول و فعل اور تقریر کا نام ہے اور آپ نے سُن ہی لیا کہ دوستیء اہلِ بیت کے بارہ میں آنحضورؐ کیا کہتے تھے اور کیا کچھ حکم فرمائے ہیں اور جماعت سے مراد فعلِ اصحابؓ و تابعینؒ ہے اور سارے اصحابؓ آنحضرتؐ کی پیروی کرتے ہوئے اہلِ بیت سے اپنی محبت میں درجہء کمال پر تھے اور اسی طرح تابعینؒ جو اصحابؓ کے پیروکار ہیں اولادِ آنحضرتؐ کو صحابہؓ کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ جیسا کہ روایت میں ہے، حضرت صدیقؓ اکبر، خدا کی قسم اٹھا کر کہا کرتے تھے کہ مجھے آنحضورؐ کی اولاد اپنی اولاد سے زیادہ عزیز ہے۔ "ومن یعترف حسنۃ نزد لہ فیھا حسنا" جو شخص بھی یہ نیکی حاصل کرتا ہے عین المعانی کی رُو سے حسنۃ کے معنی اس مقام پر محبت آلِ پیغمبرؐ ہیں، اور اللہ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان کی دوستی پر قائم ہوں تو میں ان کی نیکیوں میں اضافہ کرتا ہوں اور اس نیکی کا اسے اجر دیتا ہوں، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت حضرت صدیقِ اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو اہلِ بیت سے محبت میں درجہء کمال پر تھے خواجہ محمد پارساؒ اور قاضی شہاب الدینؒ کشاف کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرتؐ کی محبت و دوستی کے ضمن میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کی شان میں نازل ہوئی جو اہلِ بیت کی دوستی میں بلند مقام پر تھے، وہ عتیقؓ نار ہیں، رفیقؓ غار ہیں، سردارِؓ ابرار ہیں اور افضلؓ اخیار [نیک لوگوں میں سے افضل] ہیں، اسی اصول پر کہ اہلِ فضیلت ہی اہلِ فضیلت کو جانتے ہیں وہ اہلِ بیتِ نبوت کی فضیلت سے آگاہ تھے۔

فصول عبدالوھاب سے تفسیر المواھب میں یہ روایت کی گئی ہے کہ آیت کریمہ "وایتاءِ ذی القربیٰ" مودتِ آلِ رسولؐ کے ضمن میں ہے اور یہ صحابہ کرامؓ کی دعا تھی۔ امام ابو حنیفہؒ کے

بارہ میں روایت ہے کہ وہ خود امامؑ کے روضۂ مبارک پر جاتے روضہ اور خدام کی تعظیم کرتے اور انہیں عطیات دیتے اور خود جا کر مزار شریف کے دروازہ پر جھاڑو دیتے اور وہ امام باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے ملاقات کے وقت ان کے مرتبے اور مقام کو پیشِ نظر رکھتے اور ان سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ کہتے "یا ابن رسولؐ!"۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی قبر اجابتِ دعا کے لئے تریاق اور مجرب ہے ان کا آلِ محمدؐ کی دوستی کے ضمن میں کلام تو مشہور و معروف ہے، مولانا جامیؒ نے امام شافعیؒ کے مبنی بر سنت اجتہاد کا تذکرہ کرتے ہوئے امام شافعیؒ کے سحر آئین اشعار کا حسبِ ذیل فارسی ترجمہ کیا ہے،

گر بود رفض حبِ آلِ رسولؐ — باتولاء خاندان بتولؓ
گو گواہ باشد آدمی و پری — کہ شدم من ز غیر رفض بری
کیش من رفض و دین من رفض ست — فرع من رفض ماقی حفض ست

"اگر محبت آلِ رسولؐ اور تولاء خاندانِ بتولؓ رفض ہے تو جن و بشر گواہ رہیں کہ میں غیرِ رفض سے بری الذمہ ہوں، میرا مذہب رفض، میرا دین بھی رفض ہے، میری فرع بھی رفض ہے اور باقی جو کچھ بھی ہے وہ حفض یعنی پستی [ٹیڑھ پن] ہے"

شرف السادات میں شیخ احمدؒ بخاری سے روایت کرتے ہوئے کہا گیا کہ جس شخص کو اولادِ رسولؐ سے فطری طور پر محبت ہو تو اللہ کی خصوصی عنایت اور عطا اس کے شاملِ حال ہیں خواہ وہ عالمین کا گناہ گار ہو، اگر فطری محبت اس کو حاصل نہیں تو کوشش کر کے یہ مرتبہ حاصل کرے اور اگر وہ کوشش کر کے بھی یہ محبت نہ پا سکا تو وہ سمجھ لے کہ اُسے آنحضرتؐ نے اپنی رحمت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا ہے، اسی کتاب میں خواجہ فرید الحقؒ و الدین شکر گنج قدس اللہ سرہ العزیز کا ذکر ہے کہ کچھ لوگ آپ کے پاس عام نذرانہ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ تم کبھی سادات کو روندتے ہوئے دروازوں سے نہ گذرو گے اور ہمیشہ انہیں ممتاز جگہ پہ بٹھاؤ گے، اپنی اسی عادت کی وجہ سے وہ قطبِ عالم ہوئے۔

شیخ الشیوخؒ کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں محبت رسولؐ موجود ہے تو اس کا لابد نتیجہ یہ ہے کہ رسولؐ کی اولاد سے بھی محبت ہو۔ قاضی شہاب الدینؒ شرف السادات میں فرماتے ہیں کہ شیخ الشیوخ نے لابد کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ ایسے لوگوں کی حُبِ آلِ رسولؐ اختیاری ہے یعنی اگر وہ فطرتاً ایسی محبت نہ رکھتے ہوں تو انہیں اپنی کوشش سے یہ مرتبہ حاصل کرنا چاہیئے۔

اھل بیت کی محبت و مودت جو واجبِ لازم ہے اور احادیث و آثار سے بالتحقیق ثابت ہے ان کی خلفاءِ راشدینؓ پر افضلیت کا باعث نہیں بنتی جیسا بعض متعصب لوگ خیال کرتے ہیں۔ آلِ رسولؐ کا

مصداق بہت سے افراد ہیں خصوصاً ساری اولادِ حضرت فاطمہؓ الزہرا ہے، جیسا کہ آئمہ دین کے آثار و اقوال سے ثابت ہے اس کے باوجود امتِ مرحومہ کے علماء میں سے کوئی بھی ان کی اصحابِ کبارؓ پر افضلیت کا قائل نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت کی وجہ کچھ اور ہے اور محبت و مودت کی وجہ کچھ اور ہے۔ اور مختلف حیثیتوں اور وجوہات کی بناء پر کثرتِ ثواب کے حوالہ سے فضلیت اور محبوبیت کا آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں، جیسے کہ علماء کا فارمولا ہے کہ جزوی افضلیت اور فضلِ کلی میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

شیخ عبد الحقؒ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ نے یہ فرمایا تھا کہ خدایا میرے پاس اس شخص کو بھیجو جو میرے ہمراہ یہ بھُنا ہوا مرُغ کھائے اور وہ آپؐ کو ساری مخلوقات سے زیادہ عزیز ہو۔ اس کے بعد حضرت علیؑ تشریف لائے اور آنحضورؐ کے ہمراہ انہوں نے تناول فرمایا۔ شارحین اس پر یہ قید لگاتے ہیں کہ وہ آپؐ کے قریب ترین رشتہ دار ہونے کی وجہ سے تھا کیونکہ آنحضرتؐ اپنے احسان کا ان کو سب سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ خصوصیت سامنے آتی ہے اور اس سے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ایسی موشگافی کی ضرورت ہی پڑتی ہے اس سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ تمام مخلوق ان سے اسی طرح سے محبت رکھتی ہو بلکہ ان کے ساتھ یہ سید المحبوبین وافضل المخلوقین کی مخصوص محبت ہے۔ صحابہؓ میں آپؐ بعض لوگوں کو مختلف وجوہات اور حیثیتوں میں زیادہ محبوب رکھتے تھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ افضلیت کثرتِ ثواب سے منافی نہیں ہوتی اور اس کی وجہ ساری وجوہات پر حاوی نہیں ہوتی۔ یہاں ان کا قول ختم ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ افضلیت کی وجہ اور ہے اور محبت کی وجہ اور، اشباہ و نظائر میں روایت ہے کہ اگر کوئی حضرت علیؑ کو حضرت شیخینؓ پر افضلیت دے تو وہ بدعتی ہے اور اگر انؓ سے زیادہ حضرت علیؑ سے محبت کرے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے بے لاگ ہو کر دیکھا جائے تو ایسا عام طور پر ہوتا ہے کہ کوئی شخص محبت کسی اور سے کرتا ہے اور افضلیت اور کی مانتا ہے، جیسا کہ علماء و صالحین بلکہ اپنے اقرباء اور برادری میں بھی ایسا ہوتا رہتا ہے اور یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

سفیان ثوریؒ اور دیگر آئمہ سے جو یہ بات منقول ہے ان کے سامنے کسی شخص نے آکر کہا کہ وہ شیخینؓ کی تفضیل کو مانتا ہے اور علیؑ کو زیادہ دوست رکھتا ہے اور یہ اس کی نیت کو دیکھتے ہوئے کہا گیا تھا کہ وہ شیخینؓ کا دشمن ہے۔ مومن کی فراست اور زیرکی سے خبر دار رہنے کی حدیث میں بھی تاکید ہے " فاتقوا فراسته المومن فانه ینظر بنور الله": کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتے ہیں۔ بصورتِ دیگر کسی ایک سے زیادہ محبت رکھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ جمیعؓ ابن عمر کہ جو ثقہ صالح اور صادق الحدیث ہیں روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی خالہ کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس گیا، میں نے اُنؓ سے پوچھا کہ

پیغمبرؐ کو انسانوں میں سب سے زیادہ کس سے پیار تھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انسانوں میں آپؐ کو حضرت فاطمہؓ محبوب ترین تھیں پھر حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ مردوں میں سے آنحضرتؐ کو کون سب سے زیادہ عزیز تھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت فاطمہؓ کا شوہر، حضرت علیؓ ابن ابو طالبؓ، شارح کہتا ہے کہ یہاں حضرت عائشہؓ کا انصاف ملاحظہ کریں کہ انہوں نے کیا فرمایا، ورنہ وہؓ یہ کہہ سکتی تھیں کہ میں اور میرا باپؓ (آنحضورؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھے) اور یہ بات بعید نہیں کہ اگر حضرت فاطمہؓ سے پوچھتے تو، وہ کینہ پرور اور متعصب لوگوں کے برعکس جوان کو باہم دشمن سمجھتے ہیں جو وہ ہرگز نہیں ہیں، وہ کہتیں حضرت عائشہؓ اور ان کا باپؓ۔ باوجودیکہ محبت اور افضلیت میں فرق موجود ہے، یہاں پر بات ختم ہوئی۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب تفضیل شیخینؓ اور حُبِ ختنینؓ ہے، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ فضلیت شیخینؓ کو دیجئے اور محبت ختنینؓ سے کیجئے، یہ اس بات کا ثبوت کہ تفضیل اور محبوبیت میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ مولانا عبدالرحمن جامیؒ مثنوی میں کہتے ہیں کہ اگر آلِ عبؑا کی محبت ہو تو رفض برا نہیں کہ اس میں حُبِ آلِ عبؑا ہے بلکہ بدی اس بات میں ہے کہ آلِ وفا سے بغض رکھا جائے جو ہمارے پیشرو ہیں، وہ ہدایت کے راستے پر ہم سے آگے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ رفض وہ ہے جس میں اصحابِ کبارؓ کو مبغوض سمجھا جائے خدا اس سے پناہ دے نہ یہ کہ اہلِ بیت سے محبت کی جائے ان کی محبت ایمان کی علامت اور سلامتی خاتمہ کا سبب ہے اور دائمی سعادت، اللہ ہمیں یہ عطا فرمائے۔

اس کے باوجود ہمیں چاہیئے کہ خلفائے راشدینؓ، اہلِ بیت اور اصحابِ رسولؐ سے محبت کریں کیونکہ اگر کسی کے ایک عضو کو درد ملے تو سارا جسم بیتاب اور بیقرار ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر اہلِ بیت اور اصحابِ کبارؓ کی حرمت اور اعزاز میں کوئی نقص پڑتا ہو تو اس سے بچنا چاہیئے ان کے دوستوں کے ساتھ دوستی اور ان کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھنا چاہیئے اور تعصب اور متعصبین سے بچ کر رہنا چاہیئے کیونکہ اس میں ابدی ہلاکت ہے اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔

ازواجِ مطہراتؓ کی فضل و شرافت کے ضمن میں بہت سی آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ موجود ہیں، قرآن کی یہ آیت کریمہ اظہر من الشمس ہے،

"یا نسآء النبی نستن کا حدٍ من النساء ان تقین":

"اے زنانِ پیغمبرؐ! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو کیونکہ تمہیں باقی ساری عورتوں پر فضلیت حاصل ہے، اگر تم خدا سے ڈرتی اور اس کی فرمانبرداری کرتی ہو تو"۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سے فضائل اور نصائح سے شرف یاب کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری ازواج وہ ہوں جو بہشت میں بھی میرے ہمراہ ہوں۔ آپؐ کا یہ سوال قبول ہوا اس

لئے جو اس منصب کے لائق نہ تھیں وہ آنحضورؐ کے نکاح سے فارغ ہوئیں، ان میں فاطمہ بنت ضحاک جو بعد از دخول فارغ ہوئیں کیونکہ جب آیت تخییر نازل ہوئی تو اس نے جدائی اختیار کی اور دونوں جہانوں میں خوار ہوئی۔ اور کچھ ایسی جو نکاح کے بعد، لیکن دخول سے قبل فارغ ہوئیں، جیسا کہ بنی تمیم کی ایک عورت جس نے آنحضرتؐ کو کہا تھا کہ میں تجھ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں تو آپؐ نے اسے پناہ دے کر رخصت کر دیا اور عالیہ دختر ظبیان جو طلاق سے فارغ ہوئی اور عقاریہ خاندان کی عورت جب اس نے کپڑے اتارے تو آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اس کے جسم پر برص کی سفیدی ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ جا تو اپنے جیسوں سے مل جا۔ کچھ عورتوں سے منگنی ہوئی، لیکن نکاح سے پہلے ان کو رخصت کر دیا گیا۔ روایت ہے کہ ان ساری عورتوں کی تعداد جو حضورؐ کے انتخاب میں آئیں لیکن نکاح سے پہلے رخصت ہو گئیں، کچھ نکاح کے بعد دخول سے پہلے اور کچھ دخول کے بعد فارغ کر دی گئیں اور کچھ دائمی نکاح سے مشرف ہوئیں ان سب کی تعداد اکیس (۲۱) ہے، وہی امہات المومنینؓ ہیں جن کا حضورؐ سے عقد اور خدمت باقی رہی وہ بارہ (۱۲) ہیں، اس تعداد میں تھوڑا سا اختلاف بھی ہے، ان میں سے تین (۳) حضورؐ کی زندگی میں وفات پا گئیں، جیسا کہ حضرت خدیجۃؓ بنت خویلد جو ہجرت سے تین سال پہلے فوت ہوئیں، حضرت ریحانہؓ بنت زید یہودی النسل جو حجۃ الوداع سے واپسی پر رحلت فرما گئیں اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ جو چند ماہ حضورؐ کی خدمت میں رہ کر فوت ہو گئیں اور امہات المومنینؓ میں سے نو (۹) حضورؐ کی ظاہری زندگی کے بعد بھی زندہ رہیں، ان میں سے پانچ اہلِ قریش میں سے ہیں یعنی حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ، حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ، حضرت امّ حبیبہؓ بنت ابو سفیان، حضرت امّ سلمیٰؓ بنت ابی امیہ و حضرت سوداؓ بنت زمعہ، چار غیر قریشی تھیں جیسے حضرت زینبؓ بنت جحش اسدیہ، حضرت میمونہؓ بنت حارث بلالیہ، حضرت صفیہؓ بنت حیی ابن اخطب یہودیہ خیبریہ و حضرت جویریہؓ بنت حارث المصطلقیہ، یہ نو (۹) خواتین امہات المومنینؓ ہیں، جنہوں نے آیہ تخییر کے بعد خدا، رسولؐ اور دارِ آخرت کو اختیار کیا، اور اس کے بعد خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو باقی کسی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرما دیا، مگر کنیزوں کی اجازت تھی اور ان میں سب سے مشہور چار تھیں اور ایک روایت کے مطابق تین تھیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور حضرت ماریہ قبطیۃؓ ہیں جو حضرت ابراہیم ابنِ رسول اللہ کی ماں ہیں اور یہ ساری کی ساری جو نکاح پر قائم رہیں جنتی ہیں اور ان کا جنتی ہونا بلاشک و شبہ ہے۔ ان سب میں سے افضل حضرت خدجۃ الکبریٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقۃؓ ہیں۔

حضرت خدجۃ الکبریٰؓ کے بارہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جبرائیل آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ یہ خدیجۃؓ ہیں اور ان کے پاس ایک ناشتہ دان ہے جس میں آپؐ کے لئے سامان خوردونوش یا

طعام ہے (اس لفظ میں راوی کو شک ہے)، پس جب یہ آپؐ کے پاس پہنچیں تو انہیں خدا کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہنا اور یہ خوشخبری سنانا کہ ان کے لئے بہشت مین ایک ایسا لعل و جواہر کا گھر ہے جس میں کسی قسم کا شور و غوغا نہیں اور نہ اس میں دُکھ اور زحمت ہے اور یہ اللہ کی قدرت سے بنا ہے اور اپنی مثال آپ ہے بمقابلہ دنیا کے گھروں کے جو شور شرابے اور دُکھ درد برداشت کیے بغیر نہیں ملتے۔ کہتے ہیں یہ اس بات کا ثمر ہے کہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے برضا و رغبت، بغیر تردّد اور بحث و تمحیص کے اور بغیر معجزات طلب کیے اسلام قبول کیا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میری طبیعت کبھی حضورؐ کی دوسری ازواجؓ میں سے کسی کے تذکرہ سے ایسے نہ چڑتی تھی اور نہ کبھی ایسا رشک پیدا ہوتا جیسا کہ حضرت خدیجہؓ (کے ذکر) سے حالانکہ میں نے انہیں دیکھا ہی نہ تھا اور یہ اس لئے کہ آنحضرتؐ انہیںؓ بہت یاد کرتے تھے اور کئی بار ان کے صدقے میں شخصیت ذبح کرتے پھر ان کے اندام اندام جدا کرتے اور ان کو بانٹ کر ان خواتین کو بھیجتے جو حضرت خدیجہؓ کی سہلیاں تھیں یا انؓ کی رشتہ دار تھیں۔ تو میں بسا اوقات آنحضرتؐ سے کہتی کہ گویا دُنیا میں کوئی عورت ان صفاتِ حمیدہ سے موصوف نہیں جو حضرت خدیجہؓ میں تھیں، اس پر آپؐ حضرت خدیجہؓ کی تعریف و توصیف فرماتے کہ وہ ایسی تھی وہ ایسی تھی اور آپؐ مبہم الفاظ میں ان کا ذکر کرتے جو مبالغہ کے لئے بولے جاتے ہیں جو اس بات کی طرف اشارہ ہوتا تھا کہ حضرت خدیجہؓ کی صفات محدود اور محصور نہیں اور وہ فرماتے میری اولاد حضرت خدیجہؓ سے ہے اور آنحضرتؐ کی ساری اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی سوائے ابراہیمؑ کے جو ماریہؓ کے بطن سے تھے۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شیخؒ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تعرض ظاہر ہوتا ہے کہ اُنؓ سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور یہ بات اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ عورتوں کی صفات میں سب سے عزیز اور خاص صفت اولاد کا ہونا ہے اور کون سی اولاد، حضرت فاطمہؓ سیدۃ النساء العالمین، مادرِ حسنؑ و حسینؑ سے فاضل اور کامل ہے۔ اور مناقبِ حضرت عائشہ صدیقہؓ میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ حضرت عائشہؓ دوسری عورتوں کے درمیان ایسی ہیں جیسے سارے کھانوں کے درمیان ثرید۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ مجھے باقی ساری دنیا کی عورتوں پر دس چیزوں میں فضیلت حاصل ہے۔

اوّل: میرے بغیر کسی کنواری کی خواہش حضورؐ نے نہیں کی۔

دوم: حضورؐ کی کوئی اور بیوی ایسی نہیں جس کے ماں اور باپ دونوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی ہو۔

سوم: میری پاک دامنی کا ثبوت آسمان سے نازل ہوا۔

چہارم: یہ کہ جبرائیل نے میری صورت ایک حریر کے ٹکڑہ سے آنحضرتؐ کو دکھائی اور کہا کہ اس سے تزویج کرو۔

پنجم: یہ کہ میں اور پیغمبرؐ ایک ہی برتن سے غُسل کرتے تھے جبکہ انؐ کی کوئی اور بیوی ایسا نہ کر سکتی تھی۔

ششم: یہ کہ آپؐ نماز پڑھتے اور میں انؐ کے سامنے لیٹی رہتی اور یہ بات مجھ سے ہی مخصوص ہے۔

ہفتم: یہ کہ حضورؐ کی کسی اور بیوی کے لباسِ خواب میں جب وہ حضورؐ کے ساتھ ہوتی جبرائیل نہ آتا تھا سوائے میرے!

ہشتم: یہ کہ جب آپؐ کی رُوح قبض ہوئی تو آپؐ کا سر میرے سینے پر تھا۔

نہم: یہ کہ جب میری باری تھی تو اس دن آپؐ کی وفات ہوئی۔

دہم: وہؐ میرے کمرے میں دفن ہوئے

اور یہ بات دلالت کرتی ہے کہ آنحضرتؐ کو عائشہ صدیقہؓ سے بہت زیادہ محبت اور الفت تھی جو دوسری ازواجؓ سے نہ تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اے عائشہؓ خدا تیرا بھلا کرے تو مجھ سے اتنی خوش نہیں جتنا میں تجھ سے خوش ہوں"

حضرت ابی سلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرتؐ نے ان سے کہا کہ یہ جبرائیل ہے جو تجھے سلام کہتا ہے اور حضرت عائشہؓ نے بھی جبرائیل کو سلام کہا۔ علماء کہتے ہیں کہ یہاں پر سلامِ جبرائیل پر اکتفا کیا گیا ہے اور جو حدیث حضرت خدیجہؓ کے بارہ میں ہے اس میں سلامِ پروردگار اور سلامِ جبرائیل دونوں شامل ہیں اور یہاں سے حضرت خدیجہؓ کی حضرت عائشہؓ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے یہ الشرح کا مضمون ہے۔

ازدواجِ مطہراتؓ بہت سے فضائل اور خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہیں جیسا کہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ حضرت زیدؓ نے ان کی خواہش کے مطابق انہیں طلاق دی تو انہوں نے کہا وعدہ پورا ہوا تو آنحضورؐ اس آیت "فلما قضي زيد منها و طرا زوجنا كها" کے نزول کے بعد اجازت طلب کئے بغیر حضرت زینبؓ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت زینبؓ نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ بغیرِ خطبہ اور گواہان کے تو رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ خدا نے یہ تزویج برقرار کی اور جبرائیل اس کا گواہ ہے اور حضرت زینبؓ ساری خواتین پر فخر کرتی تھیں کہ خدا نے پیغمبرؐ کے ساتھ میری تزویج کی جبکہ تمہاری تزویج کرنے والے تمہارے اولیاء تھے۔ یہ بات المواهب سے لی گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ جو

آسمانی نکاح کو حضرت عائشہؓ سے مخصوص کرتے ہیں ان کی منشاء کیا ہے اور ان کے پاس سندّ کیا ہے خدا بہتر جانتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس آیۂ کریمہ سے آگاہی نہ تھی اللہ حقیقت حال سے بہتر آگاہ ہے اور علیٰ ھذاالقیاس ساری امہاتُ المومنینؓ کی ایسی فضلتیں اور خاصیتیں ہیں کہ ان تمام کا تذکرہ ممکن نہیں، لیکن علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کی باقی سب ازواجؓ پر افضلیت ہے، البتہ افضلیت حضرت خدیجہؓ و حضرت عائشہؓ میں اختلاف ہے اور امام سُبکیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا دین یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ افضل ہیں ان کے بعد ان کی ماں حضرت خدیجہؓ ان کے بعد حضرت عائشہؓ اور حسن تورپشتیؒ معتمد فی المعتقد میں کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ رسولؐ اللہ کی ازواجؓ مومنوں کی مائیں ہیں، اور انؓ کا نکاح حضورؐ کے بعد کسی اور سے ایسے ہی حرام ہے جیسے کسی کا اس کی اپنی ماں سے اور یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ وہؓ ساری نیکوکار اور طاہرہ تھیں کہ خدا نے انہیں اپنے رسولؐ کی مصاحبت کے لئے چُنا اور حضرت خدیجہؓ حبیبہ رسولؐ کے بعد حضرت عائشہؓ فاضل ہیں۔ کچھ لوگ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں بھی اختلاف رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو حضرت عائشہؓ کو فضیلت دیتے ہیں تو ان کے جواب کے لئے ایک دو صفحے کافی نہیں، اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

یہ رسالہ اختتام پذیر ہوا۔

~ ہر کہ خواند دعاء طمع دارم   زانکہ من بندہ' گناہ گارم

جو بھی اسے پڑھے اس سے مجھے دعا کی طمع ہے   کیونکہ میں گناہگار انسان ہوں

☆◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈◈☆

یہ مبارک اور شرافت والا نسخہ پڑھا گیا جس کا نام "بضعة الاربعین" ہے اور اس کے مصنف ہیں رئیس العلماء و المدققین زبدة الصلحا و المتقین وارث الانبیاء و المرسلین حضرت سید السادات پیر صاحب شاہ زین الدین غفر اللہ له' و لکاتبه (آمین ثم آمین)

نام کاتب اگر می خواہی دانی   ہست فضل حسین عبدِ صمدانی

ہر کہ خواند دعاء طمع دارم   زانکہ بندۂ گناہ گارم

نوشتہ من درین قرطاس نامہ   کہ باشد از من مسکین نشانہ

کسی گوید کہ آن مسکین کجا رفت   بگو بگریخت از دستِ زمانہ

الٰہی بیامرز سہ بندہ را   مصنفؒ، نویسندہ، خوانندہ را

محمدؐ نمود است فضلِ حسینؒ   مکین و مکان را از اواست زینؒ

~ اگر تو کاتب کا نام جاننا چاہتا ہے تو وہ فضل حسین صمدانی ہے، جو بھی اسے پڑھے مجھے اس سے دعا کی طمع ہے

کیونکہ میں گناہگار بندہ ہوں، اس قرطاس پر میری لکھائی میری موت کے بعد مجھ مسکین کی نشانی ہوگی، کوئی تجھ سے پوچھے کہ وہ مسکین کدھر گیا تو اسے بتا دینا کہ وہ زمانے کی دسترس سے بھاگ نکلا ہے، خدایا تین بندوں، مصنفؒ، کاتب اور قاری کی بخشش فرما، محمد ﷺ نے فضلِ حسینؒ کو نمایاں کیا اور مکین و مکاں کو انہیؒ کے وسیلے سے زینؒ ملا۔

نوٹ : جو نسخہ ہماری تحویل میں ہے اس کے کاتب سید فضلِ حسین ساکن کڑکی ہیں جو مصنف کی اولاد میں سے ہیں، یہ نسخہ مجھے سید نعیم شاہ بخاری مرحوم ساکن پیر سباک نے ہدیہ کیا تھا، خدا ان دونوں کو جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے آمین۔

مترجم :

سید محمد ایوب بخاری

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ (سید محمد صالح اصغر بخاری)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

بضعة الاربعین کے ترجمہ کی کمپوزنگ کی سعادت مجھے حاصل ہوئی جو یقیناً میری خوش نصیبی ہے اور اس کارِ خیر میں میری یہ ادنٰی سی کاوش مجھے دنیا و آخرت میں کامیاب کرے گی انشاء اللہ۔ اس کتاب کی آفسٹ چھپائی اکتوبر ۱۹۹۱ء میں میرے چھوٹے بھائی سید محمد محسن بخاری کے زیر اہتمام ہوئی تھی۔ اس کمپوزنگ کے دوران اسلام کے بارہ میں جو معلومات مجھے حاصل ہوئیں مجھے یقین ہے کہ قرآن اور حدیث کے علاوہ کسی اور وسیلہ یا ذریعہ سے ان کا حصول ناممکن ہے۔ ایمان، اسلام کے ہر رکن، فضائلِ قرآن، دعا، استغفار، علم، کسبِ حلال، صحابہؓ کے فضائل اور مؤدت و موالاتِ اہل بیتؑ کے بارہ میں جس طرح سے تحریر کیا گیا ہے وہ پڑھنے والے کے دل میں ان سب کے بارہ میں ایسی کیفیت طاری کرتا ہے کہ وہ ان ہدایات پر عمل کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔

اس کمپوزنگ کے آغاز سے اختتام تک میں نے ایک سکون محسوس کیا اور کئی کئی گھنٹے لگاتار ٹائپنگ بھی مجھے نہ تھکا سکی اور ہمہ وقت میں اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کرتا رہا۔ جب میں نے نویں باب کی آخری حدیث، جو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ سے متعلق ہے، کی کمپوزنگ شروع کی تو رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں چلتا جا رہا ہوں، جب تھک جاتا ہوں تو بیٹھ جاتا ہوں اور کچھ دیر بعد پھر چل پڑتا ہوں، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے شدید تھکاوٹ محسوس کی، یہ سلسلہ اختتامیہ کی پہلی حدیث کی کمپوزنگ کے اختتام تک چلتا رہا۔ یہ حدیث اس دعا پر ختم ہوتی ہے :

استغفر اللہ من جمیع ما کرہ اللہُ قولاً و فعلاً او حاضراً او ناظراً او سامعاً

لی خمسةٌ اطفی بھا حر الوباء الحاطمہ

المصطفیٰ و المرتضیٰ وابنا ھما والفاطمہ

اس حدیث کی کمپوزنگ کی بعد میں بیمار ہوا اور مجھے مسلسل تین دن تک بخار رہا، اسی کیفیت میں مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور میں دیکھتا ہوں کہ میں چلتے چلتے ایک ایسی جگہ پہنچ گیا ہوں کہ جہاں بہت بڑی گھاٹی ہے اور نیچے پانی بہہ رہا ہے، اور کوئی مجھے مجبور کر رہا کہ میں نیچے اتروں اور پانی پیوں، میں نے اس حالت میں اپنی بیوی کو آواز دی کہ مجھے پکڑو کہ کہیں میں اس کھائی میں نہ اتر جاؤں، لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی مجھے نیچے کھینچ رہا ہے، میری کوشش کامیاب نہ ہوئی اور میں پانی تک پہنچ گیا، پیاس کی شدت مجھ پر طاری ہو گئی اور میں نے پانی پینا شروع کر دیا۔ جتنا میں پانی پیتا گیا میری پیاس بڑھتی گئی، یہاں تک کہ میرا پیٹ پھٹنے لگا اور میں نے پانی پینا چھوڑ دیا۔ اب میری کوشش تھی کہ میں اس جگہ سے نکلوں، لیکن مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا، اسی دوران میری نظر اپنے کمرے میں لگی ہوئی مندرجہ بالا دعا پر پڑھی تو میں نے اپنی بیوی

سے کہا کہ مجھے یہ دعا اتار کر دے دو، جونہی میں نے دعا کا ورد شروع کیا تو دیکھتا ہوں کہ ایک رسہ لٹک رہا ہے، میں نے دعا کا ورد جاری رکھتے ہوئے، اس رسے کی مدد سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا اور تقریباً آدھے گھنٹے میں اوپر پہنچ گیا۔ جب میری غشی کی حالت ٹوٹی تو میں نے دیکھا کہ تمام گھر والے میرے ارد گرد جمع ہیں اور دعا میرے ہاتھ میں ہے۔

اس تمام عرصہ میں میرے والد صاحب، میری والدہ صاحبہ، میرے بھائیوں محسن اور بلال، میری بہنوں صالحہ، عطیہ، عامرہ اور سمیہ نے ہر لمحہ پر میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ میں اپنی بیوی سعیدہ کا شکر گزار ہوں کہ اس عرصہ کے دوران اس نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ میرے بچوں فروہ سمین اور حسین الفرید، میرے بھتیجے زین الفرید اور بھانجے حسنین قاسم نے وقتاً فوقتاً اپنی شرارتوں اور سوالوں سے مجھے محظوظ کیے رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو خوش اور آباد رکھے۔ آمین۔

اس کمپوزنگ کے بعد میں نے تہیہ کیا ہے کہ کتاب کو اپنے بھائی محسن کی اجازت سے جدید فارسی خط میں کمپوز کروں اور شائع کرواؤں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور قبلہ والد صاحب کو ہمت دے کہ وہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ کریں تاکہ اقوامِ عالم کو اسلام اور اس کی روح سمجھنے میں آسانی ہو۔ آمین۔

شکریہ

سید محمد صالح اصغر بخاری

(کمپوزر)

بسم اللہ الرّحسمٰن الرّحیم

کتاب بضعۃ الاربعین سے پیار اور محبت ایک قدرتی امر ہے کیونکہ یہ میرے جدِامجد کی ایک خوبصورت نشانی ہے۔
اس کے قلمی نسخہ کی اوّلین بار آفسٹ اشاعت کی سعادت بھی برادرِ محترم سید محمد ایوب بخاری کو نصیب ہوئی اور اب اس کے ترجمہ کا شرف بھی انہی کا مقدر ٹھہرا، جس کے لئے وہ بلاشبہ مبارکباد کے مستحق ہیں اور ان کا نصیب قابلِ رشک ہے۔
مؤلفِ کتاب جناب قبلہ پیر سید زین الدینؒ باباجی کی رحلت کو تقریباً (۱۱۱۹ھ) تین صدیاں بیت چکی ہیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ اس طویل عرصہ میں ان کے اس "علمی ورثہ" یا "علمی خزانہ" کو عوام الناس تک بالعموم اور ان کی اولاد تک بالخصوص منتقل کرنے کی کسی شخص نے سنجیدہ کوشش نہیں کی جو بلاشبہ ایک بہت بڑی کوتاہی ہے، خدا تعالیٰ معاف فرمائے بہر حال یہ امر، خدائی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے کہ اس طویل سناٹا کو ختم کرنے کا اس نے اس طرح بندوبست کردیا کہ زیرِ نظر ترجمہ کے ذریعہ اپنے پیارے حبیبؐ کی احادیث کی تشہیر کے ساتھ ساتھ مؤلفِؒ کتاب کی شخصیت کو ازسرِ نو ان کی اولاد اور عوام میں متعارف کروادیا۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد مؤلفؒ مرحوم کے زہد و تقویٰ، ان کے بلند روحانی مدارج کے ساتھ ساتھ دینی علوم اور مسائل پر ان کی گرفت کے ناقابلِ تردید شواہد سامنے آتے ہیں۔ مختصر ترین الفاظ اور جملوں میں انتہائی دقیق اور حل طلب مسائل کے اتنے خوبصورت اور مسحور کن جوابات ملتے ہیں کہ انسان پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ اُس زمانہ میں جب وسائل آمدورفت ناپید تھے، باہمی روابط کا کوئی تیز رفتار ذریعہ نہ تھا، ذرائع نشر واشاعت معدوم تھے اور علمی کتب کی دستیابی کارِدارد تھا، اس قدر نازک موضوعات پر اتنی سیر حاصل بحث اس قدر مؤثق حوالوں سے کی گئی کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ آج سے تین صدی قبل ان علمی حوالہ جات کا حاصل کرنا اور مطالعہ کرنا کسقدر کٹھن کام ہوگا، اب اس کا سوچنا بھی محال ہے۔ کتاب میں جس خوبصورت انداز میں موضوعات کو نبھایا گیا، اس سے مؤلفؒ کی پاکیزہ شخصیت اور ذہنیت کی بہت دلکش عکاسی ہوتی ہے اور ان کا ایک انتہائی خوبصورت، پاکیزہ اور پُرنور سراپا نظروں میں سما جاتا ہے۔ ان کی اولاد کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے میں شرمندہ ہوں کہ اسقدر عظیم، صاحبِ علم، عالمِ باعمل روحانی شخصیت کا وارث ہونے کے باوجود ان کے روحانی ورثہ کا ذرہ بھی تحفظ نہ کر سکا۔ کتاب میں آج سے تین سو سال قبل اتحادِ مسلمانانِ عالم کے لئے ایسا خوبصورت لائحہ عمل احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں وضع کیا گیا ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے سے آج بھی ایک انتہائی محبتوں بھرا مسلم معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے، فرقہ واریت کا ناسور ختم ہو سکتا ہے اور مسلمان بھائی بھائی بن سکتے ہیں۔ ترجمہ کی خوبصورتی، اصل متن کتاب کی انتہائی ایمانداری سے اور بلا کم وکاست قاری تک منتقلی، متروک الفاظ کا انتہائی برمحل، خوبصورت، بامحاورہ ترجمہ فاضل مترجم کی اپنی علمی صلاحیتوں، ذہانت اور مقصد سے لگن کا بین ثبوت ہے، اور ترجمہ کا یہ پہلو پرخلوص محنت، خلوصِ نیت اور مقصد سے عشق کے بغیر ممکن نہیں۔ اس امر کو تسلیم نہ کرنا یا اس کی تعریف نہ کرنا نہ صرف زیادتی بلکہ ظلمِ عظیم ہوگا۔ واجب الاحترام فاضل مترجم نے یہ سعئ جمیلہ کر کے نہ صرف اپنے لئے دائمی ثواب کا ایک بہت بڑا خزانہ پالیا، بلکہ جناب حضرت باباجیؒ صاحب کی تمام اولاد پر ہمیشہ کے لئے ان کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس ترجمہ کے ذریعہ مترجم نے ان لوگوں کو اپنے اجداد کی عظمت سے ایک بار پھر روشناس کروا دیا ہے۔ ترجمہ اس قدر خوبصورت ہے کہ قاری اور اُس کا ماحول مؤلفؒ کی پاکیزہ شخصیت کی خوشبو سے معطر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔
اللہ مؤلفِ کتاب، جناب قبلہ پیر سید زین الدینؒ، کو درجاتِ روحانی میں بلندیاں عطا فرمائے اور اپنے پیارے حبیب پاکؐ کے جوارِ رحمت میں ان کو جگہ عنایت فرمائے اور مترجم کتاب، سید محمد ایوب بخاری، برادرِ محترم کو دین و دنیا کی ہر مسرت اور عزت و شرف سے نوازے اور اس کارِ خیر کا انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

سید زاہد حسین بخاری

ایڈووکیٹ۔ اٹک

صد شکر اس باری تعالیٰ کا کہ جس نے مجھے یہ سعادت نصیب فرمائی کہ میں اس بے مثال کتاب کی ترجمہ نگاری میں مترجم کی معاونت کر سکوں اور پھر اسی کتاب کے سلسلہ میں ہی چند محافل میں مجھے یہ ترجمہ پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔
کتاب بضعۃ الاربعین میں ارکانِ اسلام۔ علم، دعا و اذکار پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اس کے علاوہ فضائلِ اہلِ بیتؑ، امہات المومنینؓ اور صحابہؓ اور ان کی کرامات بھی بہت دلکش انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ احادیث کے حوالہ سے یہ یقیناً ایک مفید اور معلوماتی کتاب ہے اور دیگر جملہ تراجم سے منفرد بھی ہے کیونکہ اس کی زبان انتہائی سادہ ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں ایک ایسا ترنم ہے کہ پڑھنے والے پر سحر طاری ہو جاتا ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ اسے ایک ہی نشست میں پڑھ لیا جائے۔
کتاب کی تیاری میں سید محمد ایوب بخاری، جو وکالت میں میرے استاد بھی ہیں، نے بہت محنت اور لگن سے کام کیا ہے بعض مقامات پر کچھ مشکلات بھی پیش آئیں، لیکن ان کی ہمت اور حوصلے کے آگے کوئی مشکل نہ رہی، انہوں نے بضعۃ الاربعین میں مذکور کتابوں میں سے اکثریت کا مطالعہ کیا، کئی مقامات پر اور بہت سی کتابوں میں چھان بین کی اور بفضلِ تعالیٰ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوئے اور آج کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس نیکی کا اجر عطا فرمائے (آمین) اور ہمیں توفیق دے کہ ایمان اور عقیدے کی پختگی کے نظریئے سے اس کا مطالعہ کریں۔ آمین۔

طلعت النساء

ایڈووکیٹ

بضعۃ الاربعین، ۴۷ احادیث کا مجموعہ ہے، جو محسنِ انسانیتؐ، رحمت للعالمینؐ کے گلشن کے صدابہار پھول ہیں، جن کی تازگی اور خوشبو میں قیامت تک ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑے گا۔ حضرت زین الدین بخاریؒ نے ان پھولوں کو چن کر ایک ایسا گلدستہ تیار کیا، جس میں نہ صرف دین بلکہ طب، علم، سیاست، عمل الغرض ہر قسم کی رہنمائی کے اصول شامل ہیں۔ کتاب اس حقیقت کو مزید اجاگر کرتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مایوس نہیں ہوا اور جب بھی ضرورت پڑتی ہے وہ اپنے بندوں کی رشد و ہدایت کا ساماں پیدا کرتا ہے۔
یہ کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ عین اس وقت جب ایک مسلمان بھائی دوسرے کا گلہ کاٹ رہا ہے، جذبۂ اتحاد کو اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے، علم و فضل کی برتری دنیا میں پھیل رہی ہے اور ایک ایسی رہنمائی کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، جو اس کتاب کا مرکزی خیال ہے، قدرت نے ایک مردِ کامل کو پسند کیا جو اس کے حبیب پاکؐ کی اولاد سے ہے، جو اگرچہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا ہے مگر تمام مسالک میں غیر متنازعہ سمجھا جاتا ہے اور مجھے انہیں امن کا سفیر لکھنے میں ذرہ برابر شائبہ نہ ہے، اس نے اپنے جدِامجدؒ کی کتاب جو ۳۰۰ سال تک صرف انہی کے خاندان کے چند مخصوص افراد تک محدود تھی کے ترجمہ کی ٹھانی اور محنت شاقہ سے اس کتاب کا ترجمہ کیا۔ خدا گواہ کہ جتنی تحقیق اس ترجمہ پر ہوئی اس کا تصور بھی محال ہے۔ یہ کتاب روحانیت پر یقین رکھنے کی دلیل ہے کہ ترجمہ ایسے مواقع پر مکمل ہوتا جو عین اس باب کی مرکزی حدیث کے مضمون سے مناسبت رکھتا تھا اور اگر کہیں پر کوئی رکاوٹ بھی آئی تو وہ اس طرح دُور ہوئی جیسے قدرت نے خود ہی اس کا بندوبست اپنے ہاتھوں سے کیا ہو۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی میرے نزدیک یہ ہے کہ اسماء الرجال سے ہٹ کر نفس مضمون پر زور دیا گیا ہے۔

شیخ کامران شہزاد صدیقی

M.Sc. نفسیات، M.A سیاسیات، ایل ایل بی،

Special Course in Shariah

۳ جولائی ۱۹۹۹ء

بضعة الاربعین سید زین الدین بخاریؒ مرحوم، سجادہ نشین خانقاہ سہروردیہ بیت الغریب کا فارسی زبان میں تخلیق شدہ شاہکار قلمی نسخہ ہے۔ یہ قلمی نسخہ احادیث، اسلامی فلسفہ، فقہ، تصوف، حصول و فروغ علم اور منطق، حکمت، غرضیکہ ہر قسم کے زرین خیالات و افکار سے مزین وہ بیش بہا خزانہ ہے جس کی تخلیق کا محرک آنحضورؐ کی یہ حدیثِ مبارکہ ہے۔

"کہ جو شخص بھی میری چالیس حدیثیں امورِ دین سے متعلق یاد کر کے میری اُمت تک پہنچائے گا تو قیامت کے دن خدا اس کو فقہا میں سے اٹھائے گا اور میں اُس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا اور اسکی اطاعت پر گواہی دینے والا ہوں گا"

یہ نادر قلمی نسخہ نو (۹) ابواب اور ایک اختتامیہ پر مشتمل ہے اور آخر میں دو احادیث اہلِ بیتؑ سے بھرپور عقیدت اور ان کا ہر لفظ اہلِ بیتؑ کی محبت کا آئینہ دار ہے۔ وقت کی بے رحم دیمک کتنے انمول شاہکار اور بیش قیمت نایاب خیالات و حکمت سے بھرپور نسخوں کو چاٹ چکی ہے۔ اِن کتابوں میں سموئے ہوئے روشن افکار، علم کے گوہر ہائے نایاب، فلسفہ، حکمت اور دانائی لوگوں کی عدم پذیرائی کا نشانہ بنے ہیں، لیکن خوش نصیب ہیں وہ بزرگ ہستیاں، اولیائے کرام، دانا، حکیم اور فلسفہ دان جن کی تخلیقات اور قلمی نسخوں کو ان کی اولاد یا پیروکاروں نے وقت کی گرد سے محفوظ رکھا اور انہیں زیبِ طاقِ نسیاں نہ ہونے دیا، انہیں پڑھا، پرکھا اور ان کا تجزیہ کیا، ان پر رات دن تحقیق کی، ان کے لفظوں کے چراغوں کو ضوبخشی، ان میں نہاں اور پوشیدہ پیغامِ ہدایت و رُشد کو وقت کے کینوس پر خوبصورت رنگوں سے اجاگر کیا اور اسطرح نہ صرف ان تخلیقات کو امر بنایا بلکہ اپنے آپ کو بھی اس حوالہ سے معتبر ٹھہرا گئے اور زندہ جاوید ہو گئے۔ ایسی ہی نابغہ روزگار ہستیوں میں سے ایک نام سید محمد ایوب بخاری ایڈووکیٹ کا بھی ابھرتا ہے، جو کہ اپنے آپ کو ایک بلند پایہ قانون دان کی حیثیت سے منوانے کے بعد ادیب اور متعدد اہم کتابوں کے مصنف ٹھہرے، لیکن ان تمام تخلیقات میں سے جو مقام "بضعة الاربعین" کے مترجم کی حیثیت انہیں نصیب ہوا، وہ نہ صرف منفرد اور بلند ہے بلکہ ان کی خداداد صلاحیتوں کا مظہر، جامع کمالات کا شاہکار ہے اور ان کی بے چین اور مضطرب روح نے مہینوں، سالوں، کتاب کے مفہوم اور الفاظ پت تحقیق کی۔

کتنی مجلسیں بپا کیں، جن میں اصل کتاب اور فارسی زبان، اس کے اردو ترجمہ کے لئے لفظوں کے چناؤ پر لاتعداد بحثیں منعقد ہوئیں۔ ان محافل کے دوران چند ایک مقامات پر نذر صابری صاحب نے ترجمہ پر اعتراض کیا تو مترجم نے اپنے مؤقف کے حق میں مستند لغات اور حوالہ جات پیش کیے، اس پر بھی وہ مطمئن نہ ہوئے تو مترجم نے بڑی فراخدلی سے کہا کہ "اگر آپ متبادل ترجمہ لے آئیں تو اسے بخوشی شامل کر لیا جائے گا" لیکن معترض اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ البتہ ایک مقام پر جہاں نذر صابری صاحب نے 'ریم' کا ترجمہ درست طور پر 'پیپ' کیا تو مترجم نے اُسے فی الفور اپنا لیا۔ ان محفلوں میں شرکت کے بعد مترجم کے علم، اصل کتابوں کے حوالے، اصل کتابوں کی دستیابی جن کر ذکر بضعة الاربعین میں پایا جاتا ہے اور ان تمام امور پر ان کا عبور دیکھ کر اپنی تہی دامنی کا احساس ہوتا تھا، کیونکہ وہ معاملہ پر خود حاوی تھے، ایک ایک لفظ کو بار بار پرکھا گیا اور پھر موزوں الفاظ کو تحریر کر کے موتیوں کی طرح جڑ دیا گیا، کہیں ابہام یا مفہوم پر شک کا شائبہ تک سامع کے ذہن میں گذرتا تو ترجمہ کے الفاظ خود بول اٹھتے تھے، ذہن میں سوال کے ابھرتے ہی اگلے فقرہ میں سوال کا جواب تیار نظر آتا، دراصل ترجمہ میں خونِ جگر شامل تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ ایک دانا کا قول ہے "عظیم تخلیق کے لئے عظیم آئیڈل ضروری ہے" چونکہ مترجم کی رگوں میں کتاب کے مصنف کا خون دوڑ رہا تھا اور پھر جب مصنف، مترجم کا آئیڈل ہو تو پھر تخلیق کے شاہکار بننے میں کونسی کسر باقی رہ جاتی ہے۔

کتاب کی تخلیق ایک عظیم عمل ہے۔ لیکن اس کتاب کا ترجمہ اصل تخلیق کا حقیقی پرتو ہے۔ تخلیق اور ترجمہ دونوں کو سامنے رکھا جائے اور غیر جانبداری سے پرکھا جائے تو ترجمہ اصل کتاب نظر آتا ہے، تخلیق کے عمل سے ترجمہ کی صنف آسان نہ ہے، ترجمہ نگار کو ہر دو زبانوں کی مہارت اور دسترس اور ان پر عبور حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ تخلیق صرف ایک زبان کی مرہونِ منت ہے۔ کتاب کی تخلیق کا اصل مقصد احادیث کے حوالہ سے حقیقتوں کے چراغ جلائے جانے ہیں، ایسی احادیث

کا انتخاب کیا گیا ہے جو کہ بے شمار غلطیوں کا ازالہ کرتی ہیں، جو کہ کم علم اور نادان ملاؤں نے پیدا کی ہیں۔ خلفائے راشدینؓ اور اہلِ بیتؑ کے حوالہ سے ان کے مقام، فضائل، کمالات اور ان کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی اس طرح ڈالی گئی ہے کہ ہر شخص اپنے مقام پر عظمت کا روشن مینار ہے۔ دراصل کتاب مسلمانوں کے درمیان فرقہ پرستی اور تفرقہ بازی کے رجحان کے خاتمہ کے لئے ایک عظیم تخلیق ہے، جس میں ایمان، توبہ و استغفار، دعا، ذکر، تسبیح، بناہائے اسلام کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس خوبصورت اور سلیس انداز سے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس پر مستزاد کتاب کے مترجم نے اسے سلیس بنا کر نہ صرف قابلِ عمل بنا دیا ہے بلکہ اسلام کی سادگی، بھائی چارہ، محبت، ایثار، قربانی گویا ہر پہلو کو اجاگر کر دیا ہے۔ کتاب کے مترجم کی محنت، لگن، زبان پر گرفت، تجربہ، الفاظ کے چناؤ، مفہوم کو سہل بنانے کے بارہ میں مندرجہ ذیل تحریروں کا حوالہ نہ دینا زیادتی ہے کیونکہ ان فقروں میں مترجم اپنے فن کی انتہا پر نظر آتا ہے اور یوں لگتا ہے کہ جیسے لفظوں کے نگینے جڑے ہوئے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے ایک صاحبِ ایمان کسی بات کو بھی ناممکن نہیں سمجھتا جیسا کہ مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ آسمان و زمین بلکہ ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو ایک مچھر کی کھال میں سمو دے اور وہ بھی مچھر کو بڑھائے بغیر اور کائنات کا حجم گھٹائے بغیر۔ ۲۔ اے اہل اسلام احتیاط! احتیاط! خصوصاً نماز کی شان میں جو اسلام کی بنائے اکبر ہے اور اسکے بارہ میں کتنا زیادہ اہتمام ہوا ہے کہ دن میں اس کی پانچ بار ادائیگی کا حکم ہوا ہے، جبکہ باقی بناہائے اسلام میں سے کوئی خاص ایام میں، کوئی سال میں ایک بار اور کسی کا عمر میں ایک بار اہتمام ہوتا ہے اور وہ بھی جس کو اللہ موقع اور توفیق نصیب فرمائے۔ ۳۔ میں نے عبادت گذاروں سے پوچھا کہ کونسی عبادت زیادہ مزہ دیتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جسے کم کھا کر اور ذرا بھوکا رہ کر ادا کیا جائے۔ ۴۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ہمارے دلوں کی موت کا ثبوت یہ ہے کہ ہمیں گناہ سے کوئی دکھ نہیں ہوتا اور اطاعتِ خداوندی سے کوئی خوشی اور مسرت حاصل نہیں ہوتی۔ ۵۔ نادان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان پر سختی اور دشواری آئے تو دعا اور گریہ وزاری کرتے ہیں اور جب ان پر کشائش اور نعمتیں نازل ہوں اور روزی سے انہیں فراغت ہو تو وہ غرور، سرکشی اور اسراف پر اتر آتے ہیں۔ ہر زمانہ میں نالائق لوگوں کا یہی حال رہا ہے۔ ۶۔ تقویٰ کی پانچ اقسام ہیں۔ شرک سے بچنا، حرام اور بدعات سے بچنا، اور شکوک و شبہات، اور دنیا کی بے ہودگیوں سے پرہیز کرنا اور جو چیز بھی خدا کی قربت اور محمد مصطفیٰؐ کی اتباع سے روکے اس سے دور رہنا۔

مترجم کی مفہوم کی تہہ تک رسائی اس ایک فقرہ سے واضح ہو جاتی ہے کہ "بزرگوں نے فرمایا ہے "موت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ انسان نیکی پر خوش اور بدی پر غمگین نہ ہو""۔

ان تحریروں میں سادہ اور عام فہم ترکیبوں کا استعمال قاری تک کتاب کے مخفی پیغام کو منتقل کرنے اور فلسفہ اور منطق کے پردے چاک کرنے کا لامتناہی سلسلہ مترجم کی خوبصورت کاوش کا وہ مجموعہ ہے جو صدیوں تک یاد رکھا جائے گا۔

زیرِ نظر کتاب چونکہ فرقہ پرستی کے خاتمہ کے لئے تحریر کی گئی ہے، جس میں نہ شاہوں کی ثناء خوانی ہے نہ درباروں کے قصے ہیں نہ ہی زیبِ داستان کے لئے کوئی رومانی کہانی شامل ہے اور نہ ساغر و مینا سے لبریز شاعری کا کوئی مجموعہ ہی مستعار لیا گیا ہے، اپنے حجرے میں مصروفِ ریاضت ایک مردِ درویش کے علم اور افکار کے ارتقاء کا ثبوت ہے جس نے سینکڑوں حدیثوں میں سے ایسی احادیث کا چناؤ کیا جن کا تعلق براہِ راست انسانی زندگی کے روزمرہ کے معمولات، فرائض اور اہلِ بیتؑ سے گہری عقیدت اور صحابہ کرامؓ کے منصب کے تعین سے ہے، جو فسادِ قلب و نظر کی نفی کرتی ہیں، فرقہ ورانہ تعصب کے خلاف برہانِ قاطع ہیں۔ یہ رسالہ ایثار و مروت کے روشن دیپک جلا کر آدمی کو انسان بننے کی طرف راغب کرتا ہے۔

ایسی نادر کتاب کے ترجمہ کی سعادت اس بزرگ ہستی اور درویش صفت انسان کی نسل کے حصہ میں آئی ہے جو بجائے خود ایک اتفاق نہیں معجزہ ہے۔

شیخ احسن الدین ایڈووکیٹ
صدر ڈسٹرکٹ بار۔ اٹک

بضعة الاربعین، ۴۷ منتخب احادیث کی تشریح ہے، جو کہ ۱۹۶ صفحات پر محیط ہے، سید محمد ایوب بخاری کے جدِ امجد جناب سید زین الدین بخاریؒ نے تین سو برس پہلے اس مجموعہ کی تصنیف وتدوین کی، اسے بزبانِ فارسی مرتب کیا۔ بخاری صاحب نے اسے اردو زبان میں ڈھال کر ہر خاص وعام کے استفادہ کے لئے عام کر دیا۔ کتاب میں عقائد اور عبادات پر بحث ہوئی ہے جو ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے، علاوہ ازیں فضائل صحابہؓ اور مضامینِ مؤدت و موالاتِ اہلِ بیتؑ بیان ہوئے ہیں۔ قارئینِ کرام! کتاب کا مصنف ایسی احادیثِ رسولؐ، آثارِ صحابہؓ، اقوالِ مشاہیر علماء و محققین پیش کرتا ہے کہ جن کی صحت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا، وہ خود ساختہ دلیل نہیں بلکہ حقائق پر انحصار کرتا ہے۔ کتاب کا بنیادی مقصد اتحاد بین المسلمین کو معرضِ وجود میں لانا ہے اور مسلمانوں میں فرقوں کو بنیاد بنا کر فساد برپا کرنے والوں کی کوششوں کا سدِ باب کرنا ہے۔ سید محمد ایوب بخاری، شیعہ ہیں، لیکن وہ بہت وسیع المشرب شیعہ ہیں، وہ قدحِ صحابہؓ نہیں بلکہ مدحِ صحابہؓ کے قائل ہیں، ان کا بہت ہی پیارا مؤقف ہے کہ جن کو رسول مقبولؐ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں جو رتبہ عطا فرمایا تھا اس کا احترام کیا جائے، اس کو برقرار رکھا جائے نہ کہ اس کو گھٹایا جائے۔ جس کو نبیؐ کوئی رتبہ بخشیں ان کو گھٹانے والے ہم کون ہیں؟۔ بخاری صاحب کا دوسرا خوبصورت اور جاندار مؤقف یہ ہے کہ خلافت کو چودہ صدیاں بیت چکی ہیں، اب چونکہ ترتیبِ خلافت تبدیل نہیں کی جاسکتی، اس لئے خلافت کے مسئلے پر جھگڑنا اور بحث لاحاصل ہے۔

میاں محمد اکرم

اٹک شہر

۱۱ مئی ۱۹۹۹ء

اربعین (جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں) کی ابتداء کب ہوئی؟، سب سے پہلا مجموعہ کس نے ترتیب دیا؟ اس سلسلے میں امام نوویؒ لکھتے ہیں: "حضرات علماء کرام نے "اربعین" کے عنوان سے اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ جن کا شمار کرنا دشوار ہے، جہاں تک میرا علم ہے سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) نے اربعین مرتب کی" [امام نووی، مقدمہ اربعین نووی (مترجم) مطبوعہ کویت]۔ اربعین مرتب کرنے کا جو حسین سلسلہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے شروع ہوا تھا آئے دن اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ اربعین لکھنے کا یہ طویل سلسلہ اور اس باب میں تالیفات کی یہ کثرت محض اتفاقی بات نہیں بلکہ اس کی محرک ایک حدیثِ نبویؐ ہے جو چالیس احادیث کے لکھنے یا ان کو امت تک پہنچانے کی ترغیب میں وارد ہوئی اور وہ حدیث یہ ہے: "من حفظ علی امتي اربعین حدیثا فی امر دینها بعثه اللّٰه فقیها و کنت له شافعا و شهیدا۔" "کہ جو شخص بھی میری چالیس حدیثیں امورِ دین سے متعلق یاد کر کے میری اُمت تک پہنچائے گا تو قیامت کے دن خدا اس کو فقہا میں سے اٹھائے گا اور میں اُس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا اور اسکی اطاعت پر گواہی دینے والا ہوں گا"۔ اس قسم کی دیگر روایتوں کے متعلق مولانا محمد صدیق ہزاروی لکھتے ہیں: "اسی مضمون کی احادیث حضرت علی ابن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابو درداء عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللّٰه عنهم سے مروی ہیں، ان روایات میں ایسے شخص (جو اربعین مرتب کرے) کے لئے مختلف انعامات کا ذکر ہے لیکن ابتدائی بات کہ دین سے متعلق چالیس احادیثِ مبارکہ یاد کی جائیں سب کے نزدیک متفق علیہ ہے"۔ زیرِ نظر کتاب بضعة و اربعین اسی سلسلۃ الذهب کی حسین کڑی ہے، جس کا دورِ تصنیف ۱۱۰۰ھ تا ۱۱۹ھ کے درمیان ہے۔ اس کتاب کے مؤلف گلستانِ سادات کے سرورداں حضرت سید زین الدین بخاری الحنفیؒ ہیں جن کا تعلق بیت الغریب، تحصیل و ضلع نوشہرہ سے ہے، کتاب کے مندرجات نو (۹) ابواب اور ایک خاتمہ پر

مشتمل ہیں۔ ہر باب میں پانچ، پانچ احادیث مندرج ہیں چنانچہ یہ تعداد پینتالیس (۴۵) ہو جاتی ہے اور خاتمہ میں دو حدیثیں ہیں، احادیث کی کل تعداد سینتالیس (۴۷) بنتی ہے، اسی مناسبت سے مصنف علام مرحوم نے کتاب کا نام "بضعۃ واربعین" رکھا ہے، یعنی چالیس اور اوپر چند احادیث۔ کتاب فارسی زبان میں ہے زبان انتہائی سادہ اور سلاست سے بھری ہے، تحریر کا انداز اس قدر میٹھا ہے کہ قاری پڑھتے پڑھتے اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ پڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ کسی بھی حدیث کی تشریح کے لئے مصنف کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ پہلے حدیث کا تفہیمی ترجمہ دیتے ہیں، پھر مختلف علمائے متقدمین ومتاخرین کے اقوال اور حکایات و نقلیات سے اس کی تشریح کرتے ہیں، اول سے آخر تک ان کا یہی اندازِ تشریح و تصریح ہے۔ کتاب کا نواں باب جو فضائل صحابہؓ پر مشتمل ہے اور خاتمہ جس میں مودت و موالات اہلبیت بیان ہوئے ہیں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ جن میں مصنف علام نے بڑے سلیقے اور قرینے سے خلفائے راشدینؓ کے فضائل اور اہلبیت کے شمائل بیان کئے ہیں اور خصوصاً جن بعض مسائل میں غلو پایا جاتا ہے اس کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے جہاں ان مسائل کے حل کے لئے علمی دلائل دیے ہیں وہاں ناصحانہ انداز بھی اختیار کیا ہے اور پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ مذہبی اختلافات جس طرح کہ مصنف کے دور کا مسئلہ تھا اور انہوں نے اسی حوالہ سے اربعین مرتب کی، گویا اس کا مقصد اتحاد و یگانگت کی فضا قائم کرنا تھا، آج بھی صورتحال وہی ہے، بعض طبقے ایسے ہیں جو اپنی کم علمی اور کج فہمی کے باعث انتشار وافتراق کا شکار ہیں، چنانچہ اسی جذبہ کے تحت مصنفؒ کے خاندان کے چشم وچراغ جناب ایوب بخاری (جن کے پاس اس کتاب کا نسخہ محفوظ تھا) نے مصنفؒ کی وفات کے تقریباً تین سو سال کے بعد ۱۹۹۱ء میں اس نسخہ کو عکساً شائع کر دیا، چونکہ کتاب فارسی میں تھی اور اردو دان طبقہ کے لئے اس سے استفادہ غیر ممکن تھا، لہذا بخاری صاحب نے کتاب کی اہمیت وافادیت کو سامنے رکھتے ہوئے اب بڑی محنت ولگن سے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، ترجمہ آسان، سلیس اور زبان وبیان کی خوبیوں سے مزین ہے۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے حق میں نافع تر بنائے اور یہ اختلافات کے خاتمہ کی باعث ہو۔

صاحبزادہ واحد رضوی

(۲۷ مئی ۱۹۹۹ء)

سید محمد ایوب بخاری

جناب سید محمد ایوب بخاری، خاندانی شرافت اور قانونی عظمت کا واضح نشان ہیں۔ ان کے کاروبار شوق اور ذوق جمال کی کی تکمیل کا راز بامحاورہ زندگی بسر کرنے میں پوشیدہ ہے۔ انہوں نے پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے ہجوم میں ایک مشغلہ مطالعہ اور تخلیق بھی اپنا رکھا ہے۔ کچھ پڑھنا، کچھ لکھنا اور باقاعدہ شعوری کوشش کے ساتھ ترجمہ کرنا، ان کی امنگوں کی ایک اضافی جہت ہے۔ سید صاحب کا ایک سفرنامہ "From Kala Chitta to California" کتابی شکل میں شائع ہو کر ایک ادبی مقام پیدا کر چکا ہے۔ موصوف کی دوسری کتاب "Ali's Attraction and Repulsion"، آیت اللہ مطہریؒ کی کتاب جاذبه و دافعه علی علیه السلام کا ترجمہ جو شاہ صاحب نے روزمرہ کی صاف انگریزی زبان میں کیا ہے، علمی سطح پر ایک معیار کا وارث ہے کہ اس میں ترجمے اور تخلیق کی حدبندی دکھائی نہیں دیتی، کیونکہ ترجمے کے اصول و مبادیات کو پیش نظر رکھ کر ایسا ترجمہ کیا گیا ہے، جس سے انگریزی دان طبقہ کو رہنمائی میسر ہوتی ہے اور کتاب کے اصل مفاہیم کا بلا کم وکاست تعارف بھی ہوتا ہے۔ محترم شاہ صاحب نے اب تیسری کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ تخلیق کی ہے، جو دراصل ان کے جدِ امجد سید زین الدینؒ کی کتاب بضعته الاربعین کا ترجمہ ہے۔ زیرِ نظر کتاب انسانی اخوت، اتحاد اور بلا تفریق ارتقائے مذہب کے سوالات پر بحث کرتی ہے۔ سید صاحب چونکہ بذاتِ خود قانون دان ہیں اس لئے ان کا استدلال ان کے جد امجد کی طرح منضبط ہے۔ چنانچہ

اسلام کے مذہبی مقاصد، تمام انبیاءؑ کے واقعات اور حضور علیہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیتؓ کرام کی مکی اور مدنی زندگیوں کے غیر روایتی انکشافات کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ ترجمہ کرتے وقت شاہ صاحب کا اپنا رجحان اور جھکاؤ مسلم امہ کے اجتماعی اتحاد کی طرف ہے۔ موصوف نے ایسا پیرایہ بیان اختیار کیا ہے جس سے حقائق بھی سامنے آئیں اور کسی کو چبھن بھی محسوس نہ ہو۔ ایسا کرتے وقت شاہ صاحب نے اپنی فطری بھلے منساہٹ کو بھی قائم رکھا ہے جس سے ترجمہ کی تاثیر بڑھ گئی ہے اور اختلافات بھی مٹ گئے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب مذہب کے آفاقی نقطۂ نظر کو پیش کرتی ہے، مثلاً مذہب کا منتہا محبت ترقی اور امن ہے نہ کہ فساد!۔ شاہ صاحب نے انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے حقائق کا کھوج لگایا ہے، اپنے نظریات اور فکری سالمیت کو قائم کرتے ہوئے ایسا نکتہ پیدا کیا ہے جس پر مسلم امہ متحد ہو سکے۔ یہ ایک مشنری جذبہ ہے اور اس کے لئے لگن اور خلوص کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ شاہ صاحب نے ان خوبیوں میں کمی نہیں آنے دی۔ اس طرح انہوں نے روحانی اور اخلاقی فریضہ بھی انجام دیا ہے کہ جس سے فرقہ واریت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے اسلوب اور ترجمہ کے نازک تکنیکی طریق کار کو دیکھ کر ایک پیمانہ بھی تشکیل پاتا ہے کہ موصوف نے اصل مفہوم تک پہنچنے کے لئے اپنے وجدان سے بھی کام لیا ہے۔ لہٰذا ترجمہ کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ شاہ صاحب ماہر مترجم کی حیثیت میں تسلیم کر لئے گئے ہیں اور ہم بلا شبہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کی اصل روح کو ہمارے لئے دریافت کیا ہے۔ شاہ صاحب ترجمہ برائے ترجمہ کے قائل نہیں ہیں، ان کا وسیع مطالعہ، زبان دانی اور تخلیقی مرادیت کا پاس ان کے ترجمہ کو عظیم بنانے میں بھی کام آیا ہے۔ چنانچہ کتاب کے اصل متن اور ترجمہ کی حکمت دونوں ہمارے سامنے آجاتی ہیں، مثلاً پرشکوہ بیان اور نفسِ مضمون ایک قاری کے لئے دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ شاہ صاحب نے ترجمہ کرتے وقت کہیں بھی اصل متن سے روگردانی نہیں کی۔ ان کی دلچسپی آخر تک قائم رہی ہے، بلکہ کتاب کی عظمت کا اصل نشان وہ مقام ہے جہاں شاہ صاحب اختلافی مسائل کو بیان کرتے ہوئے سلامتی کے ساتھ آگے بڑھ گئے ہیں۔ کتاب میں بعض مقامات ایسے ہیں کہ جہاں کسی ایک طرف ذہنی جھکاؤ رکھنے والا مترجم آسانی سے عہدہ براء نہیں ہو سکتا، لیکن یہ شاہ صاحب کی ذہنی عظمت ہے کہ انہوں نے ایک "قدر" کو پیدا کیا ہے اور وہ ہے "دیانت داری"۔ لہٰذا شاہ صاحب کی دیانت داری نے ترجمہ کے روپ میں عالی ترین روحانی نثری کارنامہ انجام دیا ہے۔ اب اس ترجمہ کی حیثیت تاریخی اور جداگانہ بھی ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے بزرگ اجداد کی امانت کو خوبصورت اقتباسات کے ساتھ اُردو کے عام قاری کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس کتاب کی دوسری جہت بھی خاص اہم ہے کہ ترجمہ مذہبی تقاضے اور نقطۂ نظر کی وضاحت پیش کرتا ہے۔ یہ ایک فیض رساں عمل ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ایک دوسرے کو فیض پہنچایا ہے۔ روشنی، نور اور محبت کو پھیلایا ہے۔ شاہ صاحب نے بھی دیے سے دیا جلا کر قانونِ عالم کی لاج رکھی ہے۔

شدید گھٹن اور تشنج کے عہد میں افہام و تفہیم کی فضا پیدا کی ہے۔ اب ہمیں شاہ صاحب کے ترجمہ کے ساتھ قدم بہ قدم چلنا چاہئے تاکہ وہ فنی حسن جو انہوں نے سادہ ترجمہ کے ذریعے پیدا کیا ہے، ہماری زندگی میں بھی موجود رہے۔

رشید نثار

راولپنڈی۔ اگست ۱۹۹۹ء

حضرت پیر صاحب زین الدینؒ نے ۴۷ احادیث مبارکہ کو فارسی زبان میں منتقل کر کے انہیں پوری شرح وبسط کے ساتھ ترتیب دیا ہے ان احادیث کی توضیح و تشریح کے تناظر میں ان کی دقت نظر، ان کی ایمانی بصیرت اور ان کی تحقیقی نگاہ کے ثبوت جابجا ملتے ہیں اور اب اس عظیم علمی سرمائے کو اردو کے قالب میں منتقل کرنے کی سعادت جناب ایوب بخاری کے حصے میں آئی ہے۔

آج کے اس دور میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی کتنا برحق ہے کہ ”خزانے کو دل سے اور مال کو آنکھوں سے دور کرو کہ تیرا مال حقیقت میں سانپ اور خزانہ اژدھا ہے“

کتاب میں شامل احادیث مبارکہ کے حوالے سے فضائل صحابہؓ اور مودت و فضائل اہل بیتؑ تمام تر تفصیلات کے ساتھ نکھر کر ہمارے سامنے آجاتے ہیں آج کے اس پر آشوب دور میں جب اپنوں کی حماقتوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کی بدولت مسلمان، مسلمان کے خون کا پیاسا ہے اور فرقہ پرستی کے عفریت نے پورے ملک کے امن و سکون کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات کو عام کیا جائے ہمیں یقین ہے کہ زیر نظر مجموعے میں شامل احادیث، گم گشتہ راہ مسافروں کے لئے مشعل راہ ثابت ہونگی اور وہ اپنی منزل کا نئے سرے سے تعین کر سکیں گے۔

کرنل (ریٹائرڈ) غلام سرور
راولپنڈی

چوں زین الدیں سراپا زینِ دیں شد
چراغ محفلِ اهل یقیں شد
زگفتارِ پیمبر گوهری چند
بہم آورد و نامش اربعین شد

نذر صابری

Design & Printed by Pap-Board Printers (Pvt.) Ltd. Ph: 564108 - 566907